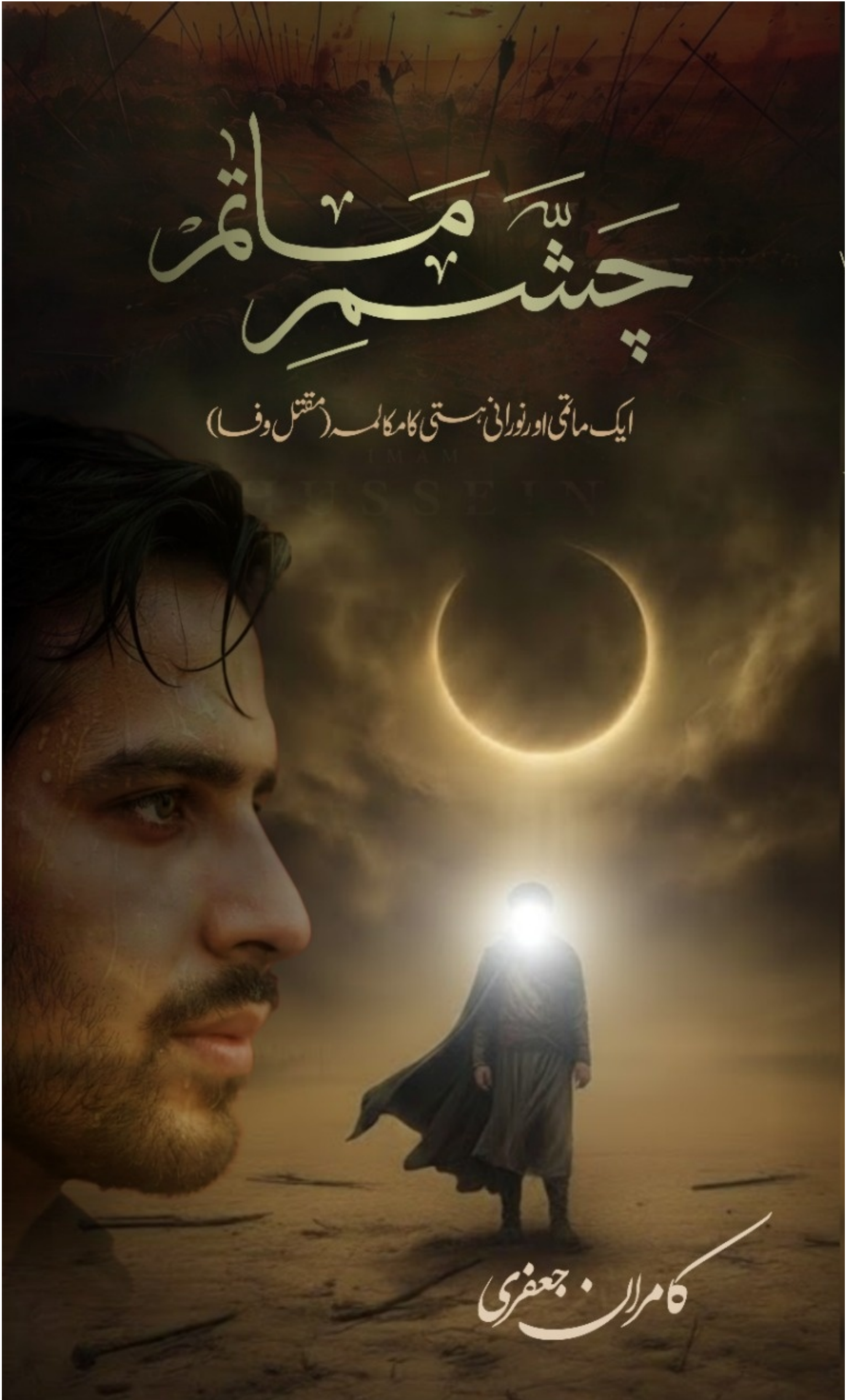

چشمِ ماتم
ایک ماتمی اور نورانی ہستی کا مکالمہ (مقتلِ وفا)
کامران جعفری



کامران جعفری

سخنِ عشق و عزا کے امین

پاکستانی عزاداری میں ابھرتا ہوا ایک درخشاں نام "کامران جعفری"

جو اپنی روح پرور شاعری کے ذریعے سید الشہداء امام حسینؑ کی عظیم قربانی کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔

ان کا ہر مصرعہ اور ہر بند، دشتِ کربلا کی تپش، غم اور ایثار کی خوشبو سے مہک رہا ہے

کامران جعفری کی تحریریں صرف شاعری نہیں بلکہ غمِ حسینؑ کا وہ تذکرۂ عشق ہیں جو دلوں کو منور کر دیتا ہے

اور روحوں کو کربلا کی سمت متوجہ کر دیتا ہے۔

ان کی دو کتب کی بارگاہِ سیدہؑ میں مقبولیت کے بعد، اب ان کی تیسری تصنیف "چشمِ ماتم" منظرِ عام پر آ رہی ہے

جو مقتلِ کربلا کی تمام شہادتوں کا دل گداز بیان ہے۔

یہ کتاب ہر قاری کو اشک و احساس کی اُس وادی میں لے جاتی ہے جہاں ہر لفظ ایک نوحہ اور ہر صفحہ ایک سلام بن جاتا ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ "چشمِ ماتم" بھی عزادارانِ حسینؑ کے دلوں میں اسی طرح اُترے جیسے ان کے سابقہ مجموعے اُتر چکے ہیں۔

اللہ ان کے قلم کو ہمیشہ پیغامِ کربلا کا امانت دار اور ترجمان بنائے۔

نذرِ عقیدت: سیدہ فرح رضوی

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز
اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی Ph:051 - 5551519
اشرف بک ایجنسی 051-5531610
معیاری اور خوبصورت کتاب چھپوانے کیلئے رابطہ کریں: (051-5551519)

چشمِ ماتم

کامران جعفری

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

نام کتاب	:	چشمِ ماتم
مصنف	:	کامران جعفری
اہتمام	:	ارشد ملک
زیرنگرانی	:	سید وسیم عباس
پروف ریڈنگ	:	نازیہ نزی (نوشہرہ)
کمپوزنگ/سرورق	:	نادِعلی
سالِ اشاعت	:	جنوری 2026
تعداد	:	500
مطبع	:	نازکو پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

پاکستان	:	1000 روپے
امریکہ	:	20 ڈالر
یورپ	:	20 یورو
برطانیہ	:	15 پونڈ

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی Ph: 051-5551519

ڈسٹری بیوٹر **اشرف بک ایجنسی** 051-5531610

کمیٹی چوک، اقبال روڈ، راولپنڈی

انتساب

ایصال ثواب برائے

مرحومین، مومنین ومومنات فقہ جعفریہ

ضروری انتباہ

اس کتاب کی تالیف میں قلم نے ہمیشہ احتیاط کا دامن تھامے رکھا ہے کہ کوئی لفظ کسی کی دل آزاری کا باعث نہ بنے لہٰذا وہ حضرات جو اپنے موروثی عقائد کے خلاف گفتگو کی تاب نہیں رکھتے ان سے مودبانہ التماس ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے صرفِ نظر کریں۔

یہ کتاب واقعہ کربلا اور شہدائے کربلا کے موضوع پر شیعہ عقیدے کے مطابق تحریر کی گئی ہے اور اس کی اشاعت محض فرقہ اثنا عشریہ کے لیے مقصود ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله الذی سمک السماء

وندب عباده الی الدعا والصلوة السلام علی من قدمه فی الاصطفاء

محمد خاتم الانبیاء علی اله الطاهرین مصابیح الدجی سیما علی حجة بن الحسن خاتم الآوصیاء

روحی و ارواح العالمین له الفداء

الحمد للہ ربّ العالمین، حمد اُس ذات کے لیے جو خالقِ ارض وسما ہے، جس نے انسان کو معرفت کا شعور عطا کیا، اشک کو عبادت بنایا اور دلوں کو محبتِ اہلِ بیتؑ سے منوّر فرمایا۔

درود و سلام ہو اُس نبیِ مکرمؐ، ختمی مرتبت، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جن کی شریعتِ محمدی چراغِ ہدایت ہے، جن کی زبان سے "حسین منّی وأنا من الحسین" کی صدا اُٹھی، اور اُن کے پاک اہلِ بیتؑ پر، جو صبر و رضا کے مینار، حق و صداقت کے ترجمان اور قربِ الٰہی کی بلند ترین مثالیں ہیں۔

سلام ہو امیر المؤمنین علیؑ پر، جو ولایت کے سرچشمہ، ایمان کے امام اور حق کے وہ معیار ہیں، جن کی ولایت ایمان کی تکمیل ہے۔

سلام ہو سیدۃ النساء العالمین، اُمِّ ابیہا سلام اللہ علیہا پر، جو عفت و عصمت کا محور، رحمتِ الٰہی کا مظہر اور وہ ماں ہیں، جن کے آنسو قیامت تک حسینؑ کے غم کی بنیاد ہیں۔

سلام ہو حسنِ مجتبیٰؑ پر، صلح کے امام، حلم و جود کے پیکر، جنھوں نے امت کو حلم کا سبق دیا۔

اور سلام ہو سید الشہداء امام حسینؑ پر، جنھوں نے کربلا میں شریعتِ محمدیؐ کے دفاع اور ولایتِ علیؑ کے تحفظ کے لیے اپنی جان، جوانان، اصحاب واہلِ حرم سب کچھ قربان کر دیا، تا کہ دین باقی رہے، انسانیت بیدار رہے اور قیامت تک حق و باطل کا فرق واضح رہے۔

سلام اُن تمام شہدائے کربلا پر، جنھوں نے عشقِ ولایت میں سر دیا مگر سرِ تسلیم خم نہ کیا۔

سلام اُن پاک مستورات پر، جنھوں نے صبر و عزیمت کی ایسی مثال قائم کی، جس پر آسمان بھی فخر کرے۔

یہ تحریر ایک ایسے ماتمی کے حقیقی واقعے پر مبنی ہے، جس نے کربلا کے اسرار کو اپنی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھ سے دیکھا۔

میں نے اُس کی گفتگو کو بعینہ ویسا ہی لکھا جیسا اُس نے بتایا۔ فقیرانہ انداز میں، ادب و احترام کے ساتھ اور اُس روحانی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے جو اُس لمحے میرے گرد پھیل گئی۔

مولا کا لاکھ شکر ہے کہ یہ سعادت نصیب ہوئی کہ میں نے ایک درویش صفت عاشقِ حسینؑ کی زبانی وہ راز سنے، جن میں معرفتِ امامؑ اور نورانیتِ کربلا چھپی ہوئی تھی۔

وہ ماتمی آج بھی زندہ ہے۔ اُس کے چہرے پر نور کی جھلک، نگاہ میں یقین اور دل میں عشقِ ولایت کی تپش ہے۔

میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس تحریر میں کسی بھی پاک ہستی کی بے ادبی نہ ہو۔

پاک مستورات کے ناموں کی جگہ ان کے القابِ احترام تحریر کیے گئے ہیں تا کہ ادب و تعظیم باقی رہے۔

کتاب میں چند ہستیوں کی شہادت کے واقعات تفصیل سے بیان نہ ہو سکے مگر ان کے درد اور یادر گوں میں ایسے بسی ہوئی ہے جیسے روح میں تسبیح کے دانے پروئے ہوں۔

یہ اُن شہداء کے نام ہیں، جن کی یاد ہر ماتمی کے سینے میں دھڑک رہی ہے:

عبداللہ بن علیؑ، جعفر بن علیؑ، عثمان بن علیؑ، ابوبکر بن الحسنؑ، عبداللہ بن الحسنؑ، عون

بن عبداللہ بن جعفرؑ ،محمد بن عبداللہ بن جعفرؑ ،جعفر بن عقیلؑ ،عبدالرحمٰن بن عقیلؑ ——

یہ وہ مقدس نفوس ہیں، جن کے خون سے کربلا کی ریت ہمیشہ تروتازہ ہے۔

قارئین جب اس کتاب کو پڑھیں گے تو ان شاء اللہ وہی کیفیت محسوس کریں گے جیسے کربلا کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔

یہ واقعات محض تاریخ نہیں، بلکہ اسرارِ آلِ محمدؐ ہیں۔اور یہ راز وہی دیکھ سکتا ہے، جس پر اہلِ ولایت نظرِ کرم فرمائیں۔

آخر میں دعا ہے:

خدا ہم سب کو مقصدِ امام حسینؑ سمجھنے، اُس پر عمل کرنے ،اور ولایتِ علیؑ وشریعتِ محمدیؐ کے دفاع میں اپنی زندگیاں بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و ما توفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب

خاک پائے عزاداران

کامران جعفری (کھبہ چک بیلی خان تحصیل وضلع راولپنڈی)

2جنوری2026ء

نو محرم کی صبح نے گاؤں کی فضاؤں میں ایک عجیب سکون اور درد کی آمیزش بکھیر دی۔ دھول بھری سڑکیں، گھروں کے صحن اور درختوں کی شاخیں سب حسینؑ کی یاد سے گونج رہی تھیں۔ ہر قدم کے ساتھ زمین پر پڑتی زنجیر کی چھینٹیں سرخ دھبے چھوڑ رہی تھیں اور ہر آنکھ میں اشک، ہر دل میں عشق اور صبر کی روشنی نمایاں تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر ذرے میں تاریخِ کربلا کی قربانی اور صبر کی روشنی چھپی ہوئی ہو۔

گاؤں کے مرکزی میدان میں مردوں کا حلقہ جمع تھا۔ سینکڑوں نوجوان، بوڑھے اور بچے سروں میں خاک ڈالے، زنجیر کی ہر چھینٹ کے ساتھ اپنے دل کی فریاد پیش کر رہے تھے۔ بازو، سینہ اور پیٹھ زنجیر کی چھینٹوں سے سرخ ہو چکی تھیں مگر ان کی روح حسینؑ کے عشق سے اور بھی روشن ہو رہی تھی۔

نوجوان ہر ضرب میں اپنی دھڑکن کو زنجیر کے تال سے ہم آہنگ کر کے دل کی شدت کو باہر نکال رہے تھے۔ بوڑھے، جنھوں نے زندگی کے کئی دکھ سہہ لیے تھے، خاموشی کے ساتھ اشک بہا رہے تھے۔ ان کے آنسو اور فریادیں گاؤں کی فضاؤں میں گھل رہی تھیں، گویا زمین و آسمان بھی ماتم میں شریک ہو۔

چھوٹے بچے بھی مردوں کے حلقے میں شامل تھے۔ وہ اپنے چھوٹے ہاتھوں میں زنجیر پکڑ کر والدین کے ساتھ ماتم کر رہے تھے اور ان کے معصوم چہرے، ابھی دنیا کی تلخیوں سے ناآشنا، حسینؑ کی قربانی کے عشق سے روشن تھے۔ کبھی ان کے ہونٹوں سے بلند ہونے والی فریاد، کبھی دھیرے سے سرکنے والا آنسو، پورے میدان کی شدت اور روحانی کیفیت کو بڑھا رہا تھا۔

دوسری جانب، عورتوں کا حلقہ الگ خیمے میں جمع تھا۔ ہر عورت نے اپنے بچے گودوں میں لیے ہوئے تھے۔ لبوں پر خاموش نوحے، آنکھوں میں اشک اور دل میں حسینؑ کی محبت کا

شعلہ روشن تھا۔ وہ ہر ضرب اور ہر نوحہ کے ساتھ اپنے اندر کے درد اور عشق کو محسوس کر رہی تھیں۔

چھوٹے بچوں کی فریادیں، کبھی نرمی سے اور کبھی زور سے بلند، اس حلقے میں ایک الگ شدت پیدا کر رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ محفل صرف انسانی نہیں بلکہ روحانی، قدسی اور پاکیزہ مناظر کی عکاسی تھی۔ ہر فریادی کے اشک دوسرے فریادیوں کے دلوں کو جھنجوڑ رہے تھے اور ہر حرکت حسینؑ کے عشق کی شدت کو دوبارہ زندہ کر رہی تھی۔

پورے دن کے دوران گاؤں میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پاک ہستیوں کا نزول ہو رہا ہو۔ مرد اور عورتوں کے حلقے الگ ہونے کے باوجود، ایک ہی جذبہ، ایک ہی صبر اور ایک ہی عقیدت ان سب کے درمیان واضح تھی۔ ہر عاشق دل کے دل سے نکلنے والا نوحہ، ہر آنکھ کا اشک اور ہر خاک کے ذرات حسینؑ کی قربانی کی روشنی میں جھلک رہے تھے۔

ہر نوحہ، ہر ضرب، ہر حرکت اور ہر آنسو گاؤں کی فضاؤں میں ایسا جذبہ بکھیر رہے تھے کہ گویا زمین پر تاریخِ کربلا کی قربانی اور صبر کی روشنی نازل ہو رہی ہے۔ مرد اور عورتیں، بچے اور بوڑھے، سب ایک ساتھ اپنے دل اور روح سے ماتم کر رہے تھے۔

صبح سے شام تک ماتمی زنجیر زنی اور نوحہ خوانی میں مصروف رہے۔ ہر شخص اپنی تھکن کو بھلا کر دل کی شدت کے ساتھ ماتم کر رہا تھا۔ بوڑھے، جو زندگی کے کئی دکھ سہہ چکے تھے، ہر نوحہ میں اپنی یادیں اور صبر کو شامل کر رہے تھے۔ نوجوان اپنی دھڑکن کو زنجیر کے تال میں ملا کر ہر ضرب میں حسینؑ کی قربانی کو محسوس کر رہے تھے۔

خواتین، جو اپنے بچوں کے ساتھ خاموش نوحہ پڑھ رہی تھیں، ہر ضرب اور ہر نوحہ کے ساتھ اپنی روح کو حسینؑ کی قربانی کے ساتھ جوڑ رہی تھیں۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔

چھوٹے بچے جو ابھی زندگی کی تلخیوں سے نا آشنا تھے وہ بھی حسینؑ کی محبت سے سرشار تھے۔ کبھی وہ اپنی چھوٹی زنجیر سے زمین پر چھینٹے مارتے، کبھی اپنی معصوم چیخ کے ساتھ حلقے کے جذبات میں شامل ہو جاتے۔ ان کے آنسو اور فریادیں سب کے دلوں پر صبر اور عقیدت کا ایک ہی

جذبہ کارفرما تھا۔

شام کے قریب جب دھوپ مدھم ہوگئی، گاؤں کی فضاؤں میں ایک اور سکون اور درد کی آمیزش چھا گئی۔ زنجیر کی گونج، نوحہ خوانی کی آوازیں اور ہر آنکھ کے اشک اس گاؤں کی ہر گلی میں بکھر رہے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر دل، ہر روح اور ہر جسم حسینؑ کی قربانی میں شریک ہو رہا ہو۔

اس کا دل اور روح ابھی بھی حسینؑ کے عشق میں جل رہے تھے اور وہ چاہتا تھا کہ تنہائی میں یہ جذبات اور بھی گہرے اور روحانی ہوں۔

دن بھر کے ماتم اور زنجیر زنی سے تھکا ہوا ماتمی، اکیلا، اپنے دل کی شدت اور حسینؑ کے عشق کے شعلے لیے، خاموشی کے ساتھ گاؤں کی آخری گلیوں کی طرف بڑھا۔

گاؤں کی ہر گلی میں ابھی بھی نوحہ خواں کی صداؤں کا عجب اثر باقی تھا۔ مرد اپنے گھروں کی دہلیز پر ماتم کر رہے تھے، کچھ خاموش، کچھ زنجیر کے چھینٹوں سے دل کا بوجھ اتار رہے تھے۔ عورتیں اپنے خیموں کے اردگرد بیٹھ کر اشک بہا رہی تھیں۔

ماتمی نے گاؤں کی آخری گلی سے باہر قدم رکھا۔ جیسے ہی اس نے پہلا قدم بڑھایا، دھول بھری زمین سے اٹھتے چھوٹے چھوٹے ذرات، اس کے دل کی فریاد کو ہوا میں بلند کر رہے تھے۔ ہر سانس، ہر قدم اور ہر حرکت حسینؑ کی قربانی کی یاد دلوا رہی تھی۔ تھکن کے باوجود اس کے قدم مضبوط تھے۔ جیسے جیسے وہ گاؤں سے دور جا رہا تھا، ماحول سنسان اور خاموش ہو رہا تھا۔ ہر قدم کے ساتھ دھول اور پتوں کی ہلکی سرسراہٹ اس کے دل کی فریاد کے ساتھ ہم آہنگ ہو رہی تھی۔ گاؤں کی ہلکی روشنی پیچھے چھوٹ رہی تھی اور، جنگل کی گہرائی کی طرف بڑھتے ہی ہر آواز، حسینؑ کے عشق اور قربانی کی شدت کو بڑھا رہی تھی۔

ماتمی نے محسوس کیا کہ تنہائی، جو پہلے دل کو بھاری لگتی تھی، اب ایک مقدس سکون اور روحانی کیفیت میں بدل گئی ہے۔

گاؤں سے، جنگل کی طرف بڑھتے ہوئے، ماتمی کو امام حسینؑ کی تشنگی کی شدت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ہر قدم کے ساتھ وہ دل میں خود سے پوچھ رہا تھا: "وہ پیاس، وہ تشنگی۔ وہ اذیت۔ کیا واقعی انسان اتنا صبر اور رضا کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے؟"

اس کے دل میں امام حسینؑ کی قربانی اور ہر قطرہ خون کی شدت زندہ ہوگئی۔ "العطش۔ العطش۔" کی صدا اب نہ صرف یاد بلکہ حقیقت محسوس ہو رہی تھی اور ہر لمحہ ماتمی کے دل و روح کو جھنجوڑ رہا تھا۔

گاؤں کی گلیاں پیچھے چھوٹ گئیں۔ روشنی مدھم اور سنہری سے سیاہی میں ڈھلتی جا رہی تھی۔ ہوا کی رفتار دھیرے دھیرے بدل گئی اور گاؤں کے مانوس شور کی جگہ ایک پراسرار خاموشی نے لے لی۔ اب ہر طرف درختوں کی اونچی چھاؤں تھی، جن کی شاخیں آسمان کو چھوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ماتمی نے قدم آگے بڑھایا تو یوں لگا جیسے وہ کسی اور دنیا میں داخل ہو رہا ہے۔ ہر طرف سایوں کا بسیرا، ہوا کی سرسراہٹ اور پتوں کی جنبش ایک عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ وہ ہر قدم پر حسینؑ کے عشق میں مزید ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کے دل میں وہی صدائیں گونج رہی تھیں:

"العطش۔ العطش۔"

یہ صدائیں اب، جنگل کی خاموش فضا میں اور بھی شدت سے سنائی دے رہی تھیں، جیسے درخت بھی پیاس کی اس فریاد کو دہرا رہے ہوں۔

راستہ کچا تھا، کانٹے دار جھاڑیاں اور خشک پتے ہر قدم کے نیچے چرچراتے۔ کبھی دور سے الو کی صدا آتی، کبھی کسی چھپے جانور کی آہٹ۔ مگر ان سب کے باوجود ماتمی کا دل خوفزدہ نہ تھا۔ اس کے دل میں حسینؑ کی محبت نے خوف کی جگہ سکون اور قربانی کی یاد سے بھر دیا تھا۔

چلتے چلتے وہ، جنگل کے بیچ پہنچ گیا۔ وہاں ایک پرانا درخت کھڑا تھا، جس کی شاخیں ہر سمت پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ درخت اپنی جڑوں کے ساتھ زمین میں یوں جما ہوا تھا جیسے صدیوں سے

ہر راز اپنے اندر سموئے کھڑا ہو۔اس کی موٹی ٹہنیاں ہوا کے ساتھ ہلکی ہلکی حرکت کر رہی تھیں اور چاندنی اس کی چھاؤں کو ایک روحانی منظر میں بدل رہی تھی۔

ماتمی نے قریب جا کر درخت کی جڑ کے پاس بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔زمین ٹھنڈی تھی اور اس پر خشک پتوں کی تہہ بچھی ہوئی تھی۔جیسے ہی وہ بیٹھا، اسے لگا کہ درخت کے نیچے کا سکون عام نہیں، بلکہ ایک خاص روحانی کیفیت ہے۔

اس نے اپنے ہاتھوں میں زنجیر تھامی اور آہستہ آہستہ ماتم شروع کیا۔ ہر ضرب کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔زنجیر کے چھینٹوں کی آواز اور، جنگل کی خاموش فضا نے ایک ایسا سماں باندھ دیا جیسے وہ تنہا نہیں، بلکہ کوئی ان دیکھے فرشتے اس کے ساتھ شریکِ ماتم ہوں۔

درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے، اس کے دل میں ایک عجیب احساس ابھرا۔اسے لگا جیسے یہ جگہ زمین کا ایک ٹکڑا نہیں، بلکہ کربلا کی خاک کا حصہ ہے۔اس کے سامنے درخت کی چھاؤں میں منظر دھندلا ہونے لگے۔یونہی جیسے تاریخ کے پردے ہٹ رہے ہوں۔اسے محسوس ہوا کہ وہ لمحہ قریب ہے جب حقیقت اور خواب کی سرحدیں مٹ جائیں گی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔خاموشی اور تنہائی اس کے گرد گھومنے لگی۔ دل میں بار بار سوال اٹھ رہا تھا:

''کاش میں دیکھ پاتا وہ کربلا، جہاں صدائیں گونج رہی تھیں۔العطش۔العطش۔''

اسی انتظار اور سکوت میں وہ آہستہ آہستہ نیند کی آغوش میں جانے لگا۔،جنگل کی رات، درخت کا سایہ اور اس کا دل۔سب ایک دوسرے میں گھل کر غمِ حسین میں شامل ہو گئے۔

شروع میں ایک سنّاٹا چھایا رہا۔ ،جنگل کے درخت، جھینگر کی آوازیں، ہوا کے جھونکے۔سب معدوم ہو گئے۔ ہر طرف خاموشی اور پھر ایک انجانی گہرائی۔جیسے وہ ایک وسیع خلا میں تنہا کھڑا ہو۔

پھر اسی خاموشی میں ایک روشنی ظاہر ہوئی۔ ابتدا میں وہ روشنی چھوٹی سی تھی مگر لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی۔ وہ نور ایک دائرے کی صورت اختیار کرتا گیا اور آخر کار ایک ایسی شخصیت نمودار ہوئی جو دیکھنے میں انسان تھی مگر حقیقت میں کسی اور جہان کا باسی لگتی تھی۔

وہ پراسرار اور نورانی شخصیت ایسی تھی کہ اس کی موجودگی سے ہی فضا میں سکون اور جلال بھر گیا۔ چہرے پر روشنی کے آثار تھے، جیسے صدیوں کی عبادت کا نور یکجا ہو گیا ہو۔ آنکھوں میں محبت بھی تھی اور عظمت بھی، درد بھی تھا اور علم کی گہرائی بھی۔

لباس سادہ مگر پرنور تھا۔ وجود کے اردگرد ایک ہلکی سی چمک پھیلی ہوئی تھی جو ہر سمت کو جگمگا رہی تھی۔ قریب کی فضا معطر ہوگئی تھی۔ ماتمی نے یہ خوشبو پہلے کبھی نہ محسوس کی تھی۔ وہ خوشبو کسی اور عالم سے آئی لگتی تھی، ایسی خوشبو جو دل کو نرم کر دے اور روح کو رونے پر مجبور کر دے۔

ماتمی نے حیرت اور لرزتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا:

''آپ کون ہیں؟ یہ روشنی۔ یہ خوشبو۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا میں خواب میں ہوں یا حقیقت میں کسی اور جہاں میں پہنچ گیا ہوں؟''

نورانی شخصیت نے مسکرا کر کہا:

''یہ خواب بھی ہے اور حقیقت بھی۔ تمھارا دل حسینؑ کی محبت میں تڑپتا ہے اور یہی تڑپ پردوں کو ہٹا دیتی ہے۔ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، وہ تمھاری روح کی آنکھ سے نظر آ رہا ہے۔''

ماتمی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ کپکپاتی آواز میں بولا:

''میں ایک معمولی ماتمی ہوں۔ میری آرزو ہے کہ میں کربلا دیکھوں۔ وہ خیمے، وہ شہادتیں، وہ صدائیں۔ کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں؟''

نورانی شخصیت نے سکون بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر نرمی سے فرمایا:

''تمھاری اہلِ بیتؑ سے محبت اور عزاداری کو دیکھ کر، میں تمہیں کربلا کے مناظر دکھاؤں گا۔ یہ مقام ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن تمھارا رونا، تمھاری زنجیر کی ضربیں، تمھاری سادگی اور

تمھارا خلوص، اس لائق ہیں کہ تمہیں وہ دکھایا جائے جو زمین و آسمان کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔''

یہ سن کر ماتمی کا دل کانپ گیا۔ وہ زمین پر جھک کر رو پڑا۔ اس کے ہونٹوں سے بس یہی نکل رہا تھا:

''یا حسینؑ۔ یا شریکۃ الحسینؑ۔ یا سجادؑ۔''

نورانی شخصیت نے اپنے دستِ مبارک کو آسمان کی طرف اٹھایا۔ اچانک فضا میں مزید نور بھر گیا۔، جنگل کے سائے مٹنے لگے، درختوں کی شکلیں تحلیل ہونے لگیں اور زمین گویا بدل گئی۔

ماتمی نے اپنے دل میں لرزہ محسوس کیا۔ اس نے سوچا:

''کیا واقعی میں کربلا دیکھنے جا رہا ہوں؟''

شخصیت نے اس کے سوال کو سنے بغیر جواب دیا:

''ہاں، اب تم وہ دیکھو گے جو تمھاری روح کی سب سے بڑی تمنا ہے۔ لیکن یاد رکھو، کربلا صرف دیکھنے کے لیے نہیں ہے، یہ دل اور روح پر نقش کرنے کے لیے ہے۔ جو ایک بار اس کو دیکھ لے، وہ دنیا کی حقیقت کو بھول جاتا ہے۔''

ماتمی نے کہا:

''لیکن میں تو ایک کمزور انسان ہوں، میں ان مناظر کو سہہ سکوں گا؟ خیموں میں بچوں کی پیاس، سکینہؑ کی سسکیاں، علی اکبرؑ کی جوانی، عباسؑ کے بازو۔ یہ سب میرا دل کیسے برداشت کرے گا؟''

شخصیت نے کہا:

''یہی اصل امتحان ہے۔ کربلا کا درد صرف برداشت کرنے والوں کو دکھایا جاتا ہے۔ تم نے ساری رات زنجیر زنی کی، تم نے اپنی پشت کو زخمی کیا، تم نے سچائی کے نام پر اپنے آرام کو قربان کیا۔ یہ سب تمہیں تیار کر رہے تھے۔ آج وہ وقت آ گیا ہے۔''

ماتمی نے روتے ہوئے کہا:

’’میری خواہش ہے کہ میں خیموں کے پاس کھڑا ہو کر ’العطش‘ کی صدائیں سن سکوں، میں ان معصوم بچوں کو دیکھ سکوں جو پیاس کی شدت میں حسینؑ کے پاس آتے تھے۔ کیا یہ سب مجھے دکھایا جائے گا؟‘‘

نورانی شخصیت نے اثبات میں سر ہلایا:

’’ہاں، تم دیکھو گے۔ لیکن یاد رکھو، یہ منظر دیکھنے کے بعد تمھاری زندگی پہلے جیسی نہیں رہے گی۔ تمہیں یہ درد اپنے ساتھ اٹھانا ہوگا اور یہی درد تمھارے ایمان کا سرمایہ ہوگا۔‘‘

یہ کہتے ہی شخصیت کے اردگرد کا نور مزید تیز ہو گیا۔ زمین کے ذرے بھی جیسے روشنی میں بدل گئے۔ فضا سے اذان کی مانند صدائیں بلند ہوئیں:

’’لبیک یا حسینؑ۔ لبیک یا حسینؑ۔‘‘

ماتمی نے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور اپنے دل کو مضبوط کیا۔ وہ جان گیا کہ اب وہ اُس سرزمین میں قدم رکھنے والا ہے جہاں وقت رُک گیا تھا اور جہاں شہادت کی خوشبو ابد تک زندہ رہے گی۔

کربلا کی زمین پر جیسے آگ دہک رہی تھی۔ سورج کی تپش ایسی کہ ہر ذرہ خاک انگارے کی مانند جھلسا رہا تھا۔ آسمان کا رنگ سُرخ پڑ گیا تھا، جیسے خون سے لبریز ہو۔ ہوا کے جھونکے بھی سکون نہ لاتے، بلکہ ایک بھاری ماتم کی صدا اپنے اندر لیے بوجھل انداز میں چلتے۔ ہر سانس میں ویرانی، ہر لمحہ میں خوف اور ہر طرف ایک قیامت کی آہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

ماتمی نے قدم زمین پر رکھا تو دل کانپ گیا۔ ایسا لگا جیسے یہ ریت صدیوں سے خون کی پیاس بجھا رہی ہو۔ وہ ٹھٹھک کر رُکا، نظریں جھکائیں تو ہر ذرہ اسے گویا کربلا کی تاریخ سنا رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ دل میں لرزہ اور لبوں پر بے ساختہ سسکی اُٹھی:

’’یا حسینؑ!‘‘

نورانی شخصیت نے ماتمی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عمیق سکون اور معرفت

کی چمک تھی۔ وہ گویا ماتمی کے دل کے سوال پڑھ رہا تھا۔

نورانی شخصیت نے کہا:

''یہ وہ زمین ہے جہاں فرشتے بھی روتے اترے تھے۔ یہ وہ جگہ ہے، جس کی ہر مٹھی خاک عبادتوں سے افضل ہے۔ اے ماتمی! سات سو برس کی عبادت بھی اس ریت کے ایک ذرے سے کم ہے۔ یہاں ایثار اور وفا اپنی آخری حد کو چھوئیں گے۔ یہاں انسانیت کو قربانی کے معنی سمجھائے جائیں گے۔''

ماتمی لرزتے دل سے سن رہا تھا۔ اس کے سامنے زمین پر عجیب کیفیت تھی۔ دور سے یزیدی لشکر کا شور سنائی دے رہا تھا۔ طبل کی گونج، تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین دہل رہی تھی۔ وہ منظر دل دہلا دینے والا تھا۔

مگر اس شور کے بیچ ایک اور منظر تھا۔ امام کے خیمے۔ ان خیموں کی خاموشی گویا آسمان کو جھکا رہی تھی۔ وہاں سے قرآن کی تلاوت کی آواز آ رہی تھی۔ کہیں کسی کی دعا کی صدا گونجتی تھی۔ صبر اور سکون کا ایسا عالم تھا کہ جیسے وہ خیمے دنیاوی شور سے الگ کسی اور دنیا میں قائم ہوں۔

ماتمی کی نظر خیموں کی طرف گئی۔ اچانک اس کے کانوں میں معصوم صدائیں گونجیں۔ کسی بچے کی کراہتی آواز آئی:

''العطش۔ العطش۔''

یہ صدا ماتمی کے دل پر تیروں کی طرح لگی۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس کا کانوں پر ہاتھ رکھنے کو جی چاہنے لگا مگر وہ آواز رکنے والی نہ تھی۔ سکینہؑ کی نیند بار بار ٹوٹتی، معصوم اصغرؑ کی ہچکی سنائی دیتی، بچے ماؤں کی آغوش میں سسکتے اور پیاس سے لب خشک کرتے۔

نورانی شخصیت نے ماتمی کی طرف دیکھا اور نرم لہجے میں کہا:

''یہ صدائیں محض بچوں کی پیاس نہیں، یہ قیامت تک انسانیت کو جگانے والی اذانیں ہیں۔ یہ معصوم لب انسان کو یاد دلاتے رہیں گے کہ حق کی خاطر پیاس برداشت کی جاتی ہے مگر

باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا جاتا۔''

ماتمی کے دل پر یہ جملے بجلی کی طرح گرے۔اس کے لب کانپنے لگے اور اس نے کہا:

''اے مولا! یہ کیسے لوگ ہیں جو اتنے سکون سے یہ سب سہہ رہے ہیں؟''

ماتمی کے سوال پر نورانی شخصیت خاموش ہوگئی۔اس نے میدان کی طرف ہاتھ اٹھایا اور کہا:

''اے ماتمی! دیکھو، یہ کثرتِ لشکر اور یہ ہجومِ ہتھیار، سب وقت کی آنکھ میں دھول ہیں۔اصل حقیقت وہ سکون ہے جو خیموں کے حصار میں موجود ہے۔وہ چند لوگ جو دنیاوی طاقت میں کم ہیں مگر خدا کے یقین میں سب سے عظیم ہیں۔یہ لوگ جانتے ہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے، پھر بھی ان کے چہروں پر خوف کا سایہ تک نہیں۔''

ماتمی کی نظر دوبارہ یزیدی لشکر پر گئی۔ایک کالے طوفان کی طرح یہ لشکر زمین پر پھیلا ہوا تھا۔زرہیں چمک رہی تھیں،تلواریں سورج کی آگ کو کاٹنے جیسی چمکتی تھیں۔گھوڑے ہنہناتے اور دھاڑتے ، نیزے آسمان کی طرف اٹھتے اور دھول کے بادل چھا جاتے۔ان کا شور زمین کو ہلا رہا تھا۔

لیکن اس شور کے بیچ خیموں کی طرف نظر ڈالنے پر ایک سکون کی فضاء چھائی ہوئی تھی، جیسے وہ کائنات سے الگ ایک جزیرہ ہوں۔

ماتمی خیموں کے قریب جانے لگا۔قریب پہنچا تو اس نے ایک ننھے بچے کی کراہتی آواز سنی:

''ماں۔پیاس۔''

یہ آواز ایسی تھی جیسے زمین کا ہر ذرہ رونے لگا ہو۔ایک طرف ماں کے لرزتے ہاتھ اپنے بچے کے رخسار سہلا رہے تھے، دوسری طرف ماں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے مگر ہونٹوں پر تسلی کے الفاظ تھے۔

''بیٹا صبر کرو، یہ پیاس اللہ کے حضور قربانی ہے۔''

ماتمی کا دل چاک ہونے لگا۔اس نے قدم پیچھے ہٹا لیے۔اس کے کانوں میں ایک اور آواز گونجی۔معصومہؑ کی۔

''بھیا، پانی ملے گا نا؟''

یہ سوال سن کر ماتمی کی آنکھوں سے سیلاب بہہ نکلا۔وہ نورانی شخصیت کی طرف پلٹا اور کانپتی آواز میں کہا:

''اے رہبر! یہ معصوم بچے کس جرم میں پیاسے ہیں؟ ان کے گلے سوکھے کیوں ہیں؟''

نورانی شخصیت نے آسمان کی طرف دیکھا اور آہ بھری۔پھر ماتمی کی طرف رخ کر کے کہا:

''یہ بچے دنیا کے کسی جرم کی سزا نہیں بھگت رہے۔ یہ معصوم تو خدا کی رضا کے نشان ہیں۔ان کی پیاس انسان کو قیامت تک سبق دیتی رہے گی کہ حق کی راہ میں قربانی کیسی ہوتی ہے۔ ان کی معصوم صدائیں ظالموں کو رسوا کرنے کا اعلان ہیں۔''

ماتمی کا دل بھاری ہو گیا۔آنکھوں میں اندھیرا سا چھانے لگا۔وہ زمین پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے خاکِ کربلا کو تھام کر رونے لگا۔ریت کے ذرے جیسے اس کے آنسو جذب کر کے اور زیادہ دہکنے لگے۔

نورانی شخصیت نے ماتمی کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا:

''گریہ کرو، رونا کرو۔ یہ زمین رونے والوں کی زمین ہے۔ یہاں ہر آنسو قبول ہوتا ہے، یہاں ہر آہ عرش تک پہنچتی ہے۔''

زمین کی خاموشی میں ایک عجیب سی لرزش تھی۔ ہر طرف پھیلی ہوئی ریت ایسے دہک رہی تھی جیسے کسی نے شعلوں کا سمندر بچھا دیا ہو۔سورج کی تمازت نے افق کو آگ کا کاسہ بنا دیا تھا۔ہوا کا ہر جھونکا تھکن اور بوجھ سے بھرا ہوا لگتا، جیسے فضا خود اپنے وزن سے دب رہی ہو۔

ماتمی نے اس ماحول کو دیکھ کر گہری سانس لی۔ آنکھوں کے سامنے ریت لہو کے رنگ میں نظر آ رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ زمین اپنی زبان میں کائنات کو کوئی پیغام دے رہی ہے۔ ہر ذرہ گویا ایک گواہ ہے، ہر ذرے میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔

نورانی شخصیت آہستگی سے بولی:

''یہ وہ لمحے ہیں جب وقت کا ہر پل بھاری ہو گیا ہے۔ دیکھو، کائنات پر کیسا سکوت جاری ہے۔ زمین اپنی چھاتی پر ایک امانت سنبھالے کھڑی ہے اور آسمان کے رنگ بدل رہے ہیں۔''

ماتمی نے کان لگائے تو محسوس ہوا کہ خاموشی کے اندر بھی ایک شور ہے۔ دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی لرزش سنائی دیتی تھی۔ تیز دھول اڑتی، نیزوں اور زرہوں کے ٹکرانے کی آواز فضا کو چیر رہی تھی اور یہ منظر بہت ہولناک تھا۔

لیکن اس شور کے مقابل ایک اور کیفیت تھی۔ ریت پر کچھ مقامات ایسے تھے جہاں سکون کا غلبہ تھا، جیسے کسی نے وقت کو روک دیا ہو۔ وہاں سے مدھم آوازیں آ رہی تھیں: ذکرِ الٰہی، تلاوت کی صدا اور دعاؤں کی سرگوشیاں۔ ان آوازوں میں عجیب سکون تھا، جیسے یہ شور اور وحشت ان تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔

نورانی شخصیت نے ماتمی کی طرف رخ کیا اور کہا:

''یہ فرق دیکھ رہے ہو؟ ایک طرف شور ہے، کثرت ہے، ہتھیار ہیں۔ دوسری طرف سکوت ہے، دعا ہے، یقین ہے۔ یہی کربلا کی اصل حقیقت ہے۔''

ماتمی کے دل پر یہ سب بہت بھاری ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔

اس نے سوچا:

''کیا یہ ممکن ہے کہ انسان اتنے بڑے طوفان کے سامنے بھی مطمئن رہے؟ کیا یہ سکون دنیاوی طاقت سے زیادہ قیمتی ہے؟''

نورانی شخصیت نے اس کے دل کے سوال کو پڑھ لیا۔اس نے کہا:

''ایمان کی طاقت یہی ہے، جو انسان کو طوفان کے سامنے بھی بے خوف بنا دیتی ہے۔ یہ سکون دنیاوی ہتھیاروں سے زیادہ قیمتی ہے۔ یہاں چند افراد ہیں مگر ان کا یقین ہزاروں پر بھاری ہے۔ یہ سکون عرش سے ملا ہے، اسی لیے کوئی شور اسے توڑ نہیں سکتا۔''

ماتمی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔اس نے سر جھکا دیا اور زمین کو چھو کر کہا:

''اے کربلا! تیری خاک میں وہ اسرار چھپے ہیں جو انسانیت کو کبھی ختم نہیں ہونے دیں گے۔''

نورانی شخصیت کچھ لمحے خاموش کھڑی رہی۔ ماتمی کی آنکھیں زمین پر جمی تھیں اور دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ اچانک نورانی شخصیت نے گہری سانس لی۔ فضا میں ایک لرزہ سا دوڑ گیا۔اس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی، جیسے اس کے پردوں کو چیر کر کسی اور جہان کو دیکھ رہی ہو۔

آہستہ مگر بوجھل لہجے میں کہا:

''اے ماتمی! تم نے اس زمین کو دیکھا۔ یہ ریت، یہ فضا، یہ خاموش ذرات۔ یہ سب گواہ ہیں۔تم نے سن لیا وہ سکوت جو دعاؤں میں لپٹا ہوا ہے، وہ شور جو لشکروں سے اٹھ رہا ہے اور وہ بوجھ جو کائنات کے دل پر رکھا گیا ہے۔ یہ سب صرف تمھیں تیار کرنے کے لیے تھا۔''

ماتمی نے لرزتی آواز میں پوچھا:

''کس چیز کے لیے، اے نورانی ہستی؟''

نورانی شخصیت کی آنکھوں میں ایک عجیب روشنی بھر آئی۔اس نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا:

''اب سنو! اب دل تھام لو۔ کیونکہ جو میں تمھیں دکھانے والا ہوں، وہ مناظر عام آنکھوں کے لیے نہیں۔ یہ وہ لمحے ہیں، جنھیں دیکھ کر خود سورج بھی سیاہ پڑ گیا، آسمان نے اپنا رنگ

کھو دیا، زمین کانپ اٹھی۔ یہ وہ واقعات ہیں، جنھوں نے فرشتوں کو رُلا دیا اور وقت کو روک دیا۔‘‘

ماتمی کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کے لب کپکپا گئے۔

’’کیا۔ یہ وہی ہے، جس کے بارے میں ہم نے ہمیشہ سنا؟ وہی قربانیاں؟‘‘

نورانی شخصیت نے آہستگی سے سر جھکا کر کہا:

’’ہاں۔ یہی وہ قربانی ہے، جس نے انسانیت کو ابدی حیات بخشی۔ یہی وہ خون ہے ،جس نے ظلم کی بنیادوں کو توڑ ڈالا۔ یہی وہ منظر ہے، جس کے بعد قیامت تک نوحے لکھے جائیں گے، ماتم ہوگا، سینے پیٹے جائیں گے۔‘‘

اس نے اپنی بات روک کر ماتمی کی طرف دیکھا، پھر دھیمی مگر لرزتی آواز میں کہا:

’’اے ماتمی! تم نے کربلا کی زمین کا حال دیکھ لیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمھیں کربلا کی شہادتوں کے مناظر دکھاؤں۔ وہ منظر جو ہر آنکھ کو رُلائیں گے، ہر دل کو دہلا دیں گے۔ وہ قربانی کی کہانی جو صرف لفظوں میں نہیں سماتی، بلکہ فضا کے ذروں میں ثبت ہے۔‘‘

یہ کہہ کر نورانی شخصیت کے چہرے پر ایک نورانی غم چھا گیا۔ فضا اچانک مزید بوجھل ہوگئی، جیسے صحرا کی ریت سانس روک کر کھڑی ہو۔ ماتمی نے محسوس کیا کہ اس کے قدم کانپنے لگے ہیں، دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہو رہی ہے اور آنکھوں کے سامنے ایک نیا جہان کھلنے والا ہے۔

رات کی آخری ساعتیں تھیں۔

آسمان پر ستارے اپنی ٹمٹماہٹ میں جیسے آخری بار زمین سے الوداع کہہ رہے تھے۔ خیموں کے اندر ذکرِ الٰہی کی سرگوشیاں تھیں، تلاوتِ قرآن کی لہریں تھیں اور سجدوں کی خاک پر وہ آنسو تھے جو عرش تک پہنچ چکے تھے۔

یہ شبِ عاشور تھی۔ وہ رات، جسے زمین نے سینے سے لگایا اور آسمان نے اپنے پردوں میں چھپایا۔

ماتمی اُس فضا میں کھڑا ہے۔

نورانی دھند کی مانند ایک ہلکی روشنی افق سے اترتی ہے۔

اس کے سامنے منظر کھلتا ہے۔ امامِ مظلومؑ اپنے خیمے سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ رخِ مبارک پر وہ وقار ہے جو فقط اولیاء کو زیبا ہے۔

ان کے چہرے پر عزم ہے مگر آنکھوں میں ایک عجیب سا سکوت۔ جیسے صبر بھی اشکوں میں بدلنے کو بے تاب ہو۔

امام حسینؑ اپنی نگاہ اُٹھاتے ہیں اور آہستہ آواز میں فرماتے ہیں:

''بیٹا علی اکبرؑ، صبح کی سفیدی نمودار ہو رہی ہے۔

آج کی اذان تم دو، تاکہ زمین و آسمان گواہ بن جائیں کہ محمدؐ کا نور آج پھر بیدار ہوا ہے۔''

، جنابِ علی اکبرؑ نے سر جھکایا اور بوسہ دیا پدرِ بزرگوار کے ہاتھوں پر۔

ان کے لبوں سے ایک ہی جملہ نکلا:

''ابا جان، اگر یہ میرا آخری سحر ہے، تو چاہتا ہوں کہ یہ سحر اللہ کے ذکر سے منور ہو۔''

ماتمی کے سامنے علی اکبرؑ کا چہرہ چمکنے لگا۔

چہرہ وہی محمدؐ کا چہرہ، آنکھوں میں وہی رسالت کی جلالت، اور آواز میں وہی حلاوت ، جس سے مدینہ کے مینار گونجا کرتے تھے۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

ہر خیمہ، ہر سانس، ہر دل منتظر۔

علی اکبرؑ نے رخِ کعبہ کی طرف کیا۔

اور آواز بلند کی۔

''اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔''

یہ الفاظ جب فضا میں گونجے تو ریگِ کربلا لرز اٹھی، ہوا ٹھہر گئی، اور خیموں میں موجود ہر

دل ٹوٹ کر رو دیا۔

ماتمی نے محسوس کیا کہ اذان کی ہر صدا اُس کے دل پر اتر رہی ہے۔

جب ''حی علی الصلاۃ'' کی آواز آئی تو اصحاب و اہلِ بیتؑ کے قدم بے اختیار اُٹھنے لگے۔

تشنہ لبی، پیاس، تھکن۔ سب بھول گئے۔

ہر ایک کے ہونٹوں پر لبیک اور دلوں میں ایک ہی جذبہ۔ ''حسینؑ کے ساتھ، خدا کے حضور۔''

ادھر دشمن کی صفوں میں بھی سناٹا چھا گیا۔

یزیدی سپاہی حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

کہ یہ کیسی اذان ہے، جس میں خوف نہیں، فقط عشق ہے۔

کیسا موذن ہے، جس کی آواز میں رسولؐ کا عکس ہے،

اور کیسا لشکر ہے جو موت کے سائے میں بھی نماز کے لیے بے قرار ہے۔

اذان مکمل ہوئی۔

امام حسینؑ نے اقامت کہلوائی اور صفیں درست کروائیں۔

سب نے ایک ہی قبلہ، ایک ہی نیت اور ایک ہی اشک کے ساتھ نماز ادا کی۔

رکوع میں جب حسینؑ نے سر جھکایا،

تو ماتمی نے دیکھا کہ زمین کی خاک بھی سجدے میں روتی ہے۔

نماز کے بعد امامؑ نے سر اُٹھایا۔

چہرے پر سکون مگر نگاہوں میں ایک ہلکی سی اداسی۔

افق پر دھول اُٹھ رہی تھی۔

دور سے لشکرِ شام کی تیاری کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

تلواروں کی چمک، نیزوں کی قطاریں اور دلوں میں چھپے ہوئے خشم وکفر کے طوفان۔

امام حسینؑ نے فرمایا:

''بس اب وقت آ گیا ہے۔ وہی لمحہ، جس کے لیے انبیاء نے دعائیں مانگیں۔

علی اکبرؑ، تمھاری اذان نے آج کربلا کو عبادت گاہ بنا دیا ہے۔

اب دشمن جان لے کہ اذانِ محمدیؐ کا وارث حسینؑ کا فرزند ہے،

جو باطل کے سامنے بھی 'اللہ اکبر' کہنے سے نہیں ڈرتا۔''

ماتمی کے دل میں طوفان برپا ہے۔

اس کے آنسو زمین پر گرتے ہیں،

اور وہ آہستہ کہتا ہے:

''یا علی اکبرؑ، تمھاری اذان نے آج میری روح بیدار کر دی۔

یہ اذان صرف فجر کی نہیں، یہ اذانِ قربانی ہے۔

یہ ندا ہے عشقِ حسینی کی، جو قیامت تک سنی جائے گی۔''

فضا میں اب بھی وہ صدا گونج رہی ہے۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

اور ماتمی کے دل میں یہ یقین جاگزیں ہے کہ جہاں علی اکبرؑ کی اذان سنائی دی، وہیں دین ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ریت سونا تھی، فضا میں خون کی بو رچی ہوئی تھی۔

خیموں کے دروازے آہستہ آہستہ کھل رہے تھے۔

فضا میں سکوت ایسا تھا کہ جیسے وقت نے سانس روک لی ہو۔

ایک سمت آفتاب، سرخ و زرد شعاعوں کے درمیان لرزتا ہوا طلوع ہو رہا تھا۔

گویا وہ بھی شرمندہ تھا کہ آج اس کے سامنے زمین پر سورجوں کا سورج موجود ہے۔

نورانی شخصیت ماتمی کے شانہ پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

چہرہ اجلا، نگاہ گہری، آواز نرم مگر بجلی سی لرزتی۔

بولی:

''دیکھو! آج کی صبح تاریخ کی سب سے بھاری صبح ہے۔

یہ وہ ساعت ہے جب حق اپنے جلال کے ساتھ باطل کے سامنے آخری حجت پوری کرے گا۔

آنکھیں بندمت کرنا، دل کی آنکھ سے دیکھنا۔ حسینؑ کھڑے ہیں!''

ماتمی نے سر اٹھایا۔ اور منظر کھل گیا۔

ریت کے سمندر میں ایک چمکتا ہوا پیکر۔

امام حسینؑ، تلوار پر ہاتھ رکھے ہوئے،

پیشانی سے نور ٹپک رہا تھا،

ریش مبارک میں سفیدی کے درمیان روشنی کی کرنیں چھپی تھیں۔

چہرہ صبر کا سمندر، نگاہوں میں جلالِ انبیا۔

امامؑ نے اپنی تلوار پر تکیہ کیا، آہستہ آہستہ بلند ہوئے،

اور پھر ان کی آواز نے فضا کو چیر دیا۔

کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟

خدا کی قسم، میں تمھیں یاددہانی کے لیے بلاتا ہوں!

میں محمدِ مصطفیؐ کا نواسہ ہوں،

وہی رسولؐ، جنھوں نے تمھیں جہالت سے نکالا،

،جنھوں نے تمھیں قرآن دیا، ایمان دیا،

اور آج تم اُن کے خون کے وارث کو مارنے پر تُلے ہو؟"

لشکر میں سناٹا چھا گیا۔

کچھ چہروں پر ندامت کی جھلک، کچھ پر تکبر کی چمک۔

اور جواب آیا۔ ’’ہاں، ہم جانتے ہیں، تُو نواسۂ رسولؐ ہے!‘‘

امامؑ نے تلوار کے قبضے کو مضبوطی سے تھاما،

قدموں سے ریت اُڑنے لگی اور فرمایا:

’’تمھیں خدا کی قسم!

کیا تم جانتے ہو کہ میری ماں، اُمِّ ابیھاؑ ہیں؟

وہی جو جبرئیل کے سلام کا جواب دیتی تھیں،

وہی، جن کی چکی کی آواز عرش پر سنی جاتی تھی،

وہی جو قیامت کے دن عورتوں کی سردار کہلائیں گی!‘‘

اشقیاء کے لبوں سے پھر نکلا۔

’’ہاں، ہم جانتے ہیں!‘‘

نورانی شخصیت نے ماتمی کے کان کے قریب کہا:

’’دیکھو، وہ سب جانتے ہیں مگر دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ یہ علم رکھنے والے، عمل سے محروم ہیں۔‘‘

امامؑ کی آواز پھر گونجی۔

’’خدا کی قسم! کیا تم جانتے ہو کہ میرے بابا علی بن ابی طالبؑ ہیں؟

وہی، جنھوں نے بدر میں سر کٹے،

احد میں علم اٹھایا،

خیبر میں دروازے توڑے،

اور رسولِ خدا نے فرمایا: 'علیؑ مجھ سے ہے، میں علیؑ سے ہوں!'

پھر تم کیوں اُس کے بیٹے کا خون بہانے آئے ہو؟''

لشکر میں لرزہ،

مگر جواب وہی۔ ''ہاں، ہم جانتے ہیں!''

پھر امامؑ نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا،

آنکھوں میں جلال تھا، آواز میں لرزتا درد:

''خدا کی قسم! کیا تم جانتے ہو کہ خدیجہؓ بنتِ خویلد،

وہی میری جدہ ہیں، جنھوں نے اسلام پر مال و جان نثار کی؟

کیا تم جانتے ہو کہ سید الشہداء حمزہؓ میرے چچا ہیں،

اور جعفرِ طیارؓ، جنت میں میرے عم ہیں؟

کیا تم جانتے ہو کہ میرے سر پر رسولؐ کا عمامہ ہے،

میرے ہاتھ میں اُن کی تلوار ہے،

اور میری رگوں میں اُن کا خون دوڑتا ہے؟''

زمین کانپ اُٹھی!

ریت کے ذروں نے جیسے سجدہ کیا۔

مگر اشقیاء پھر بولے: ہاں! ہم سب جانتے ہیں!

نورانی شخصیت نے سر جھکا لیا، آہستہ کہا:

''یہ وہ لمحہ ہے جب علم بھی جرم بن گیا۔

یہ پہچان رکھنے والے ظالم، اب حق کے خریدار نہیں،

بلکہ نفس کے غلام ہیں۔''

امامؑ نے گہری سانس لی،

چہرے پر درد کا سایہ، آواز میں آخری نصیحت:

’’اگر تم سب یہ جانتے ہو،

تو پھر میرے خون کو کیوں حلال سمجھتے ہو؟

کیوں چاہتے ہو کہ وہ لب جو قرآن پڑھتے تھے،

وہ گلا جو ’حی علی خیر العمل‘ کی صدا لگاتا تھا،

وہ خاک میں مل جائے؟

کیوں چاہتے ہو کہ امتِ محمدؐ اپنے ہی نبی کے بیٹے کو قتل کرے؟‘‘

اشقیاء کی صفوں سے ایک آواز ابھری،

زہر سے بھری ہوئی، کفر سے لدی ہوئی۔

’’ہاں، ہم سب جانتے ہیں۔

مگر ہم تمھیں نہ چھوڑیں گے،

جب تک کہ تم پیاسے مر نہ جاؤ!‘‘

یہ جملہ فضا میں پتھر بن کر گرا۔

ہوا رک گئی، سورج لرز گیا،

ریت نے سسکی لی۔

امامؑ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا،

چہرہ نور سے جگمگا اٹھا،

اور فرمایا:

’’یہودیوں پر خدا کا غضب اس وقت نازل ہوا

جب انھوں نے کہا کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے؛

نصاریٰ پر جب انھوں نے کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے؛

مجوسیوں پر جب انھوں نے آتش کو خدا مانا؛

اور اب تم پر، اے امتِ محمدؐ!

سب سے سخت غضب نازل ہوگا۔

کہ تم اپنے ہی نبی کے خون کے وارث کو قتل کرنے چلے ہو!''

امامؑ کے آخری الفاظ کے ساتھ

آسمان سے ایک بادل گزرا،

،جس میں بجلیاں رو رہی تھیں۔

ریت نے اپنے سینے پر خون کی لکیریں کھینچ لیں،

اور خیموں سے بچوں کی ہچکیاں سنائی دیں۔

نورانی شخصیت نے ماتمی کی طرف دیکھا۔

آنکھوں سے نور بہہ رہا تھا،

اور کہا:

''یہ تھا حسینؑ کا اتمامِ حجت۔

اب کربلا کے ریگزار پر وحی نہیں،

وفا بولے گی۔

اب میدان میں تلوار نہیں،

قربانی لکھے گی۔''

ماتمی نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔

فضا میں ایک صدا گونجی:

''اے حسینؑ! تُو نے خود کو نہیں منوایا،

تُو نے قیامت کو گواہ بنا دیا!''

امامِ مظلومؑ نے وہ اتمامِ حجت کیا۔ ایک ایک لفظ ایسا تھا جیسے تاریخ کی کسوٹی پر ثبت کیا

جا رہا ہو۔ اُن کے سوالات، اُن کا درد، اُن کی نصیحت، ہر بار جب ''تم جانتے ہو'' کے جواب میں دشمن نے ہاں کہا، تو آسمان میں گھبراہٹ پھیل گئی۔ جاننے اور ماننے میں جو خلا ہوتا ہے، اسی خلا نے آج دنیا کے سب سے بڑے جرم کو ممکن بنایا تھا۔ علم کے ساتھ بے وفائی۔ امامؑ نے آخری طور پر فرمایا: ''پھر بتاؤ کہ میرے خون کو حلال کیوں سمجھتے ہو؟'' اور پھر قیامت کے مناظر، حوضِ کوثر، لوائے حمد۔ سب ایک ایک کر کے ان کے لفظوں میں کھل اٹھے۔

جب یہ اتمامِ حجتِ الٰہی اشقیائے میدان تک پہنچی تو ہوا میں ایسا شور اٹھا جیسے زمین نے سر ہلا دیا ہو۔ علم نے شرمندگی جگائی اور روح نے اسیرِ ملامت ہو کر ایک لمحے کو پکار ماری۔ مگر اکثریت کے سینے میں غرور نے، جنوں کو آزاد کر دیا۔ اُن میں سے بعض نے زور سے قہقہے مار کر کہا: ''ہم وہیں ہیں جہاں ہمارے سردار ہیں!'' ۔ یعنی نصیحت سن کر بھی جان نہ مانی جائے تو جرم پر اتر آنا معمول بن جاتا ہے۔ کچھ نے گھبراہٹ میں نظریں جھکا لیں، کچھ نے کانوں میں روئی بند کر لی اور کچھ نے غصہ بھڑکاتے ہوئے تلواروں کو تیز کر لیا۔ گویا حضرتِ حق کی دلیلوں نے ان کے اندر کی رقیب آوازوں کو بڑھا دیا تھا، تاکہ وہ اپنی ناواردگی کو جواز بنا سکیں۔

نورانی شخصیت نے ماتمی کو اگلا منظر دیکھایا۔

ریت کے ایک کنارے پر ایک سپاہی چکر کاٹتا جا رہا ہے۔

چہرہ زرد، آنکھوں میں بے قراری۔

قدم جیسے زمین پر نہیں، ضمیر پر پڑ رہے ہوں۔

خیمہ حسینی سے آتی ہوئی کمسنوں کی صدائیں۔

''العطش۔ العطش۔''

ہر صدا، ایک تیر بن کر حرؓ کے سینے میں اتر رہی تھی۔

وہ رک گیا،

ہاتھ کانوں پر رکھ لیے مگر آواز رکنے والی کہاں تھی؟

دل سے چیخ نکلی:

”اے ربِّ کریم! یہ پیاس، یہ فریاد۔

ان معصوم لبوں پر کیوں ہے؟

اوران کی پیاس کا سبب میں کیوں بنا؟“

اس کے بھائی نے دیکھا،

کہ حرؑ کا چہرہ زرد ہے،لب کانپ رہے ہیں۔

پوچھا:”بھائی، کیا ہوا؟ تم اتنے بےقرار کیوں ہو؟“

حرؑ نے دھیمی،لرزتی آواز میں کہا:

”میرے ساتھ چلو۔خیمہ حسینی کے قریب چلو،

اور کان لگا کر سنو،

یہ کس کی فریادیں ہیں؟“

دونوں چلے،

ریت کے ذروں کے بیچ سے گزرتے ہوئے

وہ خیمہ گاہ کے قریب پہنچے۔

جہاں سے آواز آ رہی تھی:

”العطش۔العطش۔“

حرؑ کے قدم ڈگمگا گئے۔

اس نے سینہ پیٹا اور زمین پر گر گیا۔

”ہائے! یہ فریادیں رسولؐ کی اولاد کی ہیں!

یہ نالے ان بچوں کے ہیں،جنھیں میں نے محاصرہ کیا!

اے حرؑ! تُو نے یہ دن دیکھنے کے لیے اسلام قبول کیا تھا؟

نہ میں اُنھیں روکتا، نہ یہ پیاس کی اذیت اٹھاتے!''

اس کے آنسو ریت پر گرے اور ریت نے لال رنگ پکڑ لیا۔

حرؑ چیخ کر بولا:

''قسم ہے اُس خدا کی، جس نے محمدؐ کو نبی بنایا۔

اب مجھ پر موت حلال ہے،

اگر میں حسینؑ کے قدموں پر جا کر توبہ نہ کروں!''

نورانی شخصیت نے ماتمی سے کہا:

''دیکھو۔ یہ حرؑ ہے،

جو کل تک راہ روکتا تھا:

اور آج، جنت کی راہ تلاش کر رہا ہے۔

یہ دل کا انقلاب ہے،

یہ توبہ کا چراغ ہے جو خون سے جلنے والا ہے۔''

حرؑ تلوار لیے لپکا،

مگر، جنگ کے لیے نہیں۔

شرم اور عشق کے طوفان میں ڈوبا ہوا۔

لشکرِ یزید سے نکل کر

ریت پر گھوڑے کی ٹاپوں نے توبہ کا اعلان کیا۔

اس کے ہونٹوں پر صرف ایک جملہ تھا:

''یا حسینؑ! میں وہی ہوں، جس نے تیرا راستہ روکا۔

اب مجھے بخش دے!

میں تیرا غلام بن کر مرنا چاہتا ہوں!''

جب امامؑ کے خیمے کے قریب پہنچا،

تو گھوڑے سے اتر کر زمین پر گر پڑا۔

گرد اُڑی، اشک بہے اور لبوں پر یہی صدا تھی:

''اے فرزندِ رسولؐ! میں گناہگار ہوں۔

کیا میری توبہ قبول ہوگی؟''

حسینؑ آگے بڑھے،

چہرے پر تبسم، آنکھوں میں کرم۔

فرمایا:

''حرؑ۔

تیرا نام سچ ثابت ہوا۔

تُو دنیا اور آخرت دونوں میں آزاد ہے۔

اُٹھ، خدا نے تجھے بخش دیا۔''

نورانی شخصیت نے کہا:

دیکھو ماتمی:

یہ ہے حسینؑ کا کرم۔

جو اُن کے در پر آ جائے،

وہ گناہگار ہو کر بھی حرؑ بن جاتا ہے۔''

پھر حرؑ نے تلوار اٹھائی،

نعرہ بلند کیا:

''میں وہ ہوں، جس نے راہ روکی تھی،

اب وہ ہوں جو حسینؑ کی راہ میں جان دے گا!''

وہ دشمن پر ٹوٹ پڑا،

نیزے چمکے، تلواریں گئیں،

ریت خون سے سرخ ہوگئی۔

حرؑ نے پینتالیس دشمن واصلِ جہنم کیے۔

عمر بن حجاج چلّایا:

''احمقو! یہ وہ حرؑ ہے جو موت سے کھیل رہا ہے،

اکیلے نہ لڑو، اسے چاروں طرف سے گھیر لو!''

اور پھر۔

تیر، پتھر، نیزے۔

ہر سمت سے برسنے لگے۔

حرؑ کا بدن چھلنی ہوگیا۔

مگر لبوں پر یہی تھا:

''یا حسینؑ۔ میں نے وعدہ نبھایا۔''

جب، جسم زخموں سے چور ہوا،

تو حرؑ زمین پر گر پڑا۔

ریت نے خون کو جذب کیا،

اور زبانِ حال سے کہہ اٹھی:

''یہ پہلا شہیدِ عشق ہے،

جو خطا سے وفا تک کا سفر طے کر گیا۔''

حرؑ نے آخری بار پکارا:

ادرکنی یا حسینؑ

اے فرزندِ رسولؐ! آ جائیے۔

امامؑ گھوڑے پر سوار دوڑے،

مگر اس سے پہلے کہ پہنچتے،

ظالموں نے حرؑ کا سر کاٹ کر

لشکرِ حسین کی سمت پھینک دیا۔

امامؑ نے رک کر وہ سر اٹھایا،

اپنی چھاتی سے لگایا،

خاک صاف کی اور فرمایا:

''حرؑ! خدا کی قسم،

تیری ماں نے تیرا نام خوب رکھا تھا۔

تُو دنیا کی غلامی سے نہیں،

آتشِ دوزخ سے آزاد ہوا ہے۔''

نورانی شخصیت نے دھیرے سے ماتمی کے کان میں کہا:

''یہ حرؑ ہے۔

جو کل خطا کار تھا، آج شہیدِ کربلا ہے۔

یہ وہ لمحہ ہے جب گناہ کے پتھر بھی

عشق کے آنسوؤں سے نرم ہو گئے۔''

جب خیموں میں یہ خبر پہنچی۔

کہ حرؑ بن یزید شہید ہو گئے،

تو بیبیوں نے گریہ کیا۔

شریکۃ الحسینؑ نے چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا، فرمایا:

''اے خدا! یہ پہلا جاں نثار تھا،

جو توبہ سے وفا تک پہنچا۔

سلام ہو اُس پر،

کہ حسینؑ نے خود اس کے خون کو سینے سے لگایا۔''

شریکتہ الحسینؑ کی نگاہوں میں امید کی وہ جھلک

جو شاید قومِ ظالم میں کوئی نرمی دیکھنے کے لیے باقی تھی،

اب حرؑ کے لہو کے ساتھ ریت میں دفن ہو گئی۔

نورانی شخصیت خاموش ہوئی،

اور ماتمی کے آنسو بہہ نکلے۔

آہستہ کہا:

''اے کربلا کے گواہ۔

آج میں نے حرؑ کے رخ سے وفا کی روشنی دیکھی۔

مگر مجھے معلوم ہے۔

اب یہ روشنی تلواروں کے سائے میں

خون سے لکھی جائے گی۔''

نورانی شخصیت نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔

فضا میں ایک عجب خاموشی تھی۔

ریت ساکت، خیمے سہمے ہوئے،

اور ہوا میں جلتی دھوپ کی سنجیدگی جیسے زمین پر سجدہ ریز ہو۔

ماتمی نے کانپتی آواز میں پوچھا:

''یہ خاموشی کیوں ہے؟''

نورانی شخصیت نے کہا:

''یہ وہ لمحہ ہے جب وفا اپنی انتہا پر جا رہی ہے۔

آ و دیکھو! زمینِ کربلا پر کون کھڑا ہے۔

ماتمی نے نگاہ اٹھائی۔

ریت کے افق پر ایک جوان بڑھ رہا تھا۔

نور چمک رہا تھا، جیسے خون میں روشنی گھل گئی ہو۔

نورانی شخصیت بولی:

''یہ حرؑ کا فرزند ہے۔علی بن حرؑ۔

باپ کے نقشِ قدم پر چلا،

اور اپنی جوانی قربان کردی حسینؑ پر۔''

پھر ایک اور سایہ بڑھا۔

نورانی شخصیت نے کہا:

''یہ ہے حجر بن حرؑ،

جس نے بھائی کے خون کا جواب تلوار سے دیا۔

ہر وار کے ساتھ اس کا دل کہہ رہا تھا۔

اے حسینؑ! تیرے لیے جینا بھی عبادت،

مرنا بھی سعادت۔''

ماتمی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے۔

نورانی شخصیت نے آہستہ سر جھکایا اور کہا:

''یہ دیکھ، حرؑ کا بھائی۔

جس کے لبوں پر 'یا حسینؑ' ہے،

اور دل میں وہ سکون جو صرف شہید کو نصیب ہوتا ہے۔‘‘

پھر خیمے کے در سے ایک غلام نکلا،

جس کا چہرہ وفا سے روشن تھا۔

نورانی شخصیت بولی:

یہ ہے حرؑ کا غلام۔

اس نے کہا: ’میرے مولا کے بعد میری زندگی بے معنی ہے۔‘

اور وہ بھی خاکِ کربلا پہ حسینؑ کے نام پر امر ہو گیا۔‘‘

ماتمی نے دیکھا۔

ریت سرخ ہو گئی تھی مگر آسمان روشن تھا۔

نورانی شخصیت نے کہا:

’’یوں حرؑ کا پورا گھرانہ حسینؑ پہ قربان ہوا۔

زمین نے وفا کا مفہوم سمجھا،

اور آسمان نے عشق کا رنگ دیکھا۔‘‘

پھر نورانی شخصیت نے ماتمی کا ہاتھ تھاما۔

’’چلو، اب دیکھو وہ چہرے، جنھیں زمانہ، اصحابِ وفا، کہتا ہے۔

وہ جو حسینؑ کے بعد آنے والوں کے ایمان کا چراغ بنے۔‘‘

دور خیموں کے سامنے صف بستہ مرد کھڑے تھے۔

چہرے روشنی سے بھرے ہوئے،

دل یقین سے لبریز۔

نورانی شخصیت نے ایک ایک اصحاب کا نام لیتا گیا اور شہادت کے مناظر ماتمی کو دیکھتا رہا۔

ماتمی نے دیکھا۔

ایک ایک نکل رہا تھا۔

تلواریں چمک رہیں تھیں،

مگران کے دلوں میں سکون تھا۔

کوئی شکست کا خوف نہیں،

بس عشق کی للکار: ''یاحسینؑ!''

نورانی شخصیت نے آہ بھری:

''یہ وہ قافلہ ہے جو کربلا سے گزر کر، جنت میں داخل ہوا۔

یہ وہ لوگ ہیں، جنھیں وقت نہیں بھولے گا،

جن کے لہو سے حق کی خوشبو ہمیشہ اٹھتی رہے گی۔''

خیموں سے اہلِ حرم کے چہرے جھانک رہے تھے—

ربابؑ، شریکتہ الحسینؑ، معصومہؑ اور اہلِ بیتؑ کی نگاہیں

ہر شہید کے ساتھ ٹوٹتی مگر اور مضبوط ہو جاتی تھیں۔

ماتمی نے زمین کی طرف دیکھا۔

ریت گویا خون سے زیادہ سرخی مائل جیسے آفتاب کا عکس پیش کر رہی تھی۔

جیسے روشنی خود سجدہ کر رہی ہو۔

نورانی شخصیت نے ماتمی کے کندھے پر ہاتھ رکھا،

اور آہستہ سے کہا:

''یہ وہ لمحہ تھا جب زمین نے وفا کو محسوس کیا،

اور آسمان نے قربانی کا منظر دیکھا۔

یہ وہ وقت تھا جب کربلا کے ذرے ذرے میں خدا کی خوشبو بسی۔

اور ہر شہید کی روح نے حسینؑ کے قدموں میں سکون پایا۔"

پھر ایک خاموشی چھا گئی۔

ہوا تھم گئی، ریت سن ہو گئی۔

دور سے خیموں کا پردہ ہلا۔

نورانی شخصیت نے آہستہ کہا:

"اب حسینؑ اور حسینؑ کے جگر کے ٹکڑے،

ان کے اقربا رہ گئے ہیں۔

نورانی شخصیت کی نگاہ آسمان پر اٹھی۔

پھر وہ آہستہ بولے۔

"ماتمی! آؤ، اب سنو اُس شہزادے کا ذکر،

جس کے رخ سے نبوت کی جھلک آتی تھی،

جس کی صدا میں رسولؐ کی بازگشت تھی۔

علی اکبرؑ، فرزندِ حسینؑ!"

ماتمی نے ادب سے سر جھکایا،

دل کی دھڑکن تیز ہوئی، آنکھوں سے اشک بہنے لگے۔

نورانی شخصیت نے کہا:

"یہ وہ نور ہے جو ام لیلیٰؑ کے بطن سے طلوع ہوا۔

وہ ماں جو حلم و حیاء کا پیکر تھی،

اور، جس کے نصیب میں حسینؑ کا چاند لکھا گیا تھا۔

جب یہ فرزند پیدا ہوا تو امام حسینؑ نے گود میں اُٹھایا،

اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے کہا:

’خدایا! یہ نعمت تیری ہے۔ میں تیری ہی امانت تیرے سپرد کرتا ہوں!‘

پھر اُسے مسجد میں لٹا دیا،

دو رکعت نماز ادا کی،

اور نبیؐ کے در پر جا کر کہا:

’یا رسول اللہ! آپ کی شباہت کا جلوہ پھر ظاہر ہوا ہے!‘‘‘

ماتمی کے لب لرزے:

’’یعنی یہ وہی شہزادہ ہے، جسے دیکھ کر سب کہتے تھے۔

گویا رسولؐ مدینے میں لوٹ آئے ہیں؟‘‘

نورانی شخصیت نے تبسم کیا،

’’ہاں، اے ماتمی! مدینے کی گلیوں میں جب علی اکبرؑ چلتے،

لوگ نظریں جھکا لیتے،

کہ لگتا تھا مصطفیٰؐ گزر رہے ہوں۔

جب وہ اذان دیتے،

فضا میں نبیؐ کی صدا گونجتی۔

جب وہ بولتے،

لہجہ حسینؑ کا، آواز رسولؐ کی۔‘‘

پھر وہ کچھ دیر خاموش رہے، جیسے یادوں کا بوجھ اٹھا رہے ہوں۔

آواز بھرا گئی۔

’’یہ وہی فرزند تھا، جسے شریکۃ الحسینؑ نے پالا۔

شریکۃ الحسینؑ نے کہا تھا: ’یہ بچہ میرے سپرد ہے،

اس کے بدن میں شاہی خون ہے۔ شہنشاہی غیرت ہے۔‘

یوں شریکتہ الحسینؑ نے اُسے ماں سے بڑھ کر محبت دی،

گود میں سُلایا، دامن میں بڑھایا،

یہاں تک کہ سارے مدینے میں مشہور ہو گیا۔

’یہ علی بن شریکتہ الحسینؑ ہے!‘‘‘

ماتمی نے سر اُٹھایا،

’’اے نورانی ہستی، پھر ماں لیلیٰؑ کا کیا حال تھا؟‘‘

نورانی شخصیت نے مسکرا کر کہا:

’’لیلیٰؑ تو خوش تھیں کہ انہیں ایسا فرزند نصیب ہوا۔

لیکن زینبؑ کی محبت میں اکبرؑ خود بھول گئے کہ ماں کون ہے۔

وہ ہر شے زینبؑ سے مانگتے،

لباس شریکتہ الحسینؑ بناتیں، کھانا زینبؑ کھلاتیں،

اور حسینؑ جب دیکھتے تو فرماتے:

’شریکتہ الحسینؑ! تمھارا بیٹا تو بڑا حسینؑ ہے، بڑا جلال والا ہے!‘‘‘

ہوا نے خیموں کے پردے ہلائے۔

نورانی شخصیت بولی:

’’پھر شریکتہ الحسینؑ نے دل میں ارادہ کیا۔

جب یہ اٹھارہ برس کے ہوں گے، شادی ایسی کروں گی

کہ زمانہ یاد رکھے گا کہ بنی ہاشم کے شہزادے کی شادی کیسی ہوتی ہے۔

مگر قسمت نے کچھ اور لکھ رکھا تھا۔

سترہ برس گزرے، اٹھارہواں شروع ہوا،

اور سفرِ کربلا شروع ہو گیا۔

پورے سفر میں شریکۃ الحسینؑ کے محمل کے ایک طرف حسینؑ کا گھوڑا،

دوسری طرف علی اکبرؑ کا گھوڑا۔

اور شریکۃ الحسینؑ کی زبان سے یہی نکلتا۔

'بیٹا! دھوپ نہ لگ جائے، کپڑا اوڑھ لو۔

بیٹا! میرے سامنے بیٹھ کے کھانا کھاؤ۔'''

ماتمی کے ہونٹ کپکپائے،

''اے نورانی ہستی، یہ محبت تو ماں جیسی تھی!''

نورانی شخصیت نے کہا:

''ہاں، شریکۃ الحسینؑ ماں بھی تھیں، بہن بھی، مربیہ بھی۔

کربلا میں جب حسینؑ نے زمین خریدی،

تو شریکۃ الحسینؑ نے آہستہ کہا:

'بھائی! اگر یہ زمین میرے بیٹے کے نام ہو جائے۔'

حسینؑ نے مسکرا کر فرمایا:

'شریکۃ الحسینؑ! اسے بھی حصہ ملے گا۔'''

نورانی شخصیت کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

''پھر وہ دن آیا جب پانی بند ہوا۔

شریکۃ الحسینؑ نے کبھی عون و محمدؑ کا نام نہ لیا،

مگر ایک بار لبوں پر لرزتی صدا آئی۔

میرے اکبر کے ہونٹ خشک ہو گئے ہیں۔

ماتمی کا سینہ ہل گیا،

آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔

نورانی شخصیت نے آسمان کی طرف دیکھا:

''اور جب شبِ عاشور آئی،

حسینؑ خیموں کی خبر لینے نکلے۔

پہلا خیمہ شریکۃ الحسینؑ کا،

دوسرا لیلیٰؑ کا۔

شریکۃ الحسینؑ بیٹوں کو وصیتیں کر رہی تھیں،

اور لیلیٰؑ کے خیمے میں شمع جل رہی تھی۔

ایک ہاتھ سے اکبرؑ کے بالوں میں کنگھی،

کہہ رہی تھیں:

'بیٹا! کل میرا امتحان ہے۔

دنیا کہے گی، ماں نے روکا یا نہیں۔

میری عزت تیری غیرت کے ساتھ بندھی ہے۔

میری وفاؤں کی کی لاج رکھنا، میرے لعل!''

آواز میں لرز، آنکھوں میں روشنی تھی۔

وہ روشنی جو غمِ حسینؑ کو عبادت بنا دیتی ہے۔

فرمایا:

ماتمی۔ دل سنبھال۔

حسینؑ کے دل کا ٹکڑا، نبیؐ کی شبیہ، ابھی میدانِ عشق میں اترنے والا ہے۔''

ماتمی کی سانس بھاری ہوگئی۔

نورانی شخصیت نے آسمان کی طرف دیکھا،

دیکھو خیمے کا پردہ ہٹنے والا ہے۔ اب وہ وقت آ گیا ہے

جب حسینؑ اپنے علی اکبرؑ کو اجازت دیں گے۔
وہ علی اکبرؑ جو صورت میں مصطفیؐ، گفتار میں علیؑ،
کردار میں حسینؑ اور حلم میں حسنؑ ہیں۔''
خیمے کا در وا ہوا۔
امام حسینؑ باہر تشریف لائے، نگاہوں میں جلال اور چہرے پر درد کی گہرائی۔
ساتھ وہ نوجوان، شہزادہ علی اکبرؑ۔
ماتمی بولا:
''یہ تو نبیؐ کا چہرہ ہے۔ یہ تو اُمِّ ابیہاؑ کا گلشن ہے۔!''
شریکۃ الحسینؑ در پر کھڑی تھیں، لرزتی آواز میں بولیں:
''علی اکبرؑ۔ میں نے تمھیں اسی دن کے لیے پالا تھا۔
عونؑ و محمدؑ کو تمھارے لیے قربان کیا۔
جاؤ۔ خدا تمھارا حامی ہو۔
تم جا رہے ہو، تو سمجھو شریکۃ الحسینؑ کا دل جا رہا ہے۔''
آج شریکۃ الحسینؑ کا صبر بھی لرز گیا۔ کیونکہ وہ ماں بھی تھیں،
پھوپھی بھی اور عاشقِ ولایت بھی۔
امام حسینؑ آگے بڑھے، بیٹے کا ہاتھ تھاما اور رکنے کا اشارہ کیا
اور خیمے کے گوشے میں رکھے تبرکات کا صندوق کھولا:
نانا کا عمامہ لیا، سر پر رکھا۔
نانا کی عباء دوش پر ڈالی۔
نانا کی تلوار کمر سے باندھی۔
اور بولے: تمہیں دیکھ کر نانا کی یاد آتی ہے

”جب کبھی نانا یاد آتے تھے، تمھیں دیکھ کر دل کو سکون ملتا تھا۔

آج تم جا رہے ہو، لعلِ حسینؑ۔ آؤ، آج تمھیں میں خود سوار کروں گا۔“

”بیٹا، تم نہیں جا رہے۔ میری جان جا رہی ہے۔

آہستہ چلو، ذرا ٹھہرو کہ میں تمھیں جی بھر کے دیکھ لوں۔“

امامؑ نے بیٹے کو گھوڑے پر سوار کیا۔

”پروردگار! گواہ رہنا۔ میں اس قوم کی طرف وہ جوان بھیج رہا ہوں

جو تیرے نبیؐ کے مشابہ ہے۔“

شہزادہ علی اکبرؑ نے رجز بلند کیا:

”اَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِی، نَحْنُ وَبَیْتِ اللّٰهِ وَلٰی بِالنَّبِیّ!“

نورانی شخصیت نے کہا:

”یہ رجز نہیں، یہ تاریخ کی روح ہے، جس نے اعلان کیا کہ دینِ محمدؐ ابھی زندہ ہے!“

لشکر کانپ گیا۔

اکبرؑ کے ہر وار میں بجلیاں کوندنے لگیں۔

یزیدیوں کے صفوں میں چیخیں بلند ہوئیں۔

جہاں دیکھتے، گرد کے اندر اکبرؑ کا نور تھا،

ابنِ سعد لرز گیا، بولا: ”کون ہے جو اسے روکے؟“

طارق بن شیث کو بلایا گیا۔

اس نے کہا: ”مجھے خوف ہے کہ میں رسولؐ کے بیٹے کو قتل کروں اور تو وعدہ نہ نبھائے۔“

ابن سعد نے کہا: ”میں قسم کھاتا ہوں، اپنی بات سے نہ پھروں گا۔ رقہ و موصل کی حکومت تیری ہوگی!“

طارق میدان میں آیا۔

اکبرؑ نے فرمایا: ''آ دیکھ لے ہمشکلِ مصطفیؐ کا چہرہ تیری تلوار سے نہیں ڈرتا!''

ایک ہی وار میں طارق زمین پہ گرا۔

اکبرؑ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، ''اللہ اکبر!''

طارق کا بیٹا عمر بن طارق آیا، پھر طلحہ آیا۔ دونوں خاک میں مل گئے۔

پھر مصراع بن غالب آگے بڑھا۔

اکبرؑ نے بجلی کی طرح تلوار چلائی، مصراع کے دو ٹکڑے کر دیے۔

اکبرؑ نے گھوڑے کو موڑا، تلوار بلند کی اور، جس سمت گئے،

موت ان کے قدموں تلے دب گئی۔

گرد چھٹی۔

شہزادہ زخمی تھا، بدن پر خون کے نشان مگر نگاہوں میں آگ تھی۔

وہ خیموں کی طرف لوٹے۔

عرض کی:

''بابا، ایک گھونٹ پانی عطا کیجیے تاکہ میں ظالموں کو فنا کر سکوں۔''

امام حسینؑ نے فرمایا:

''بیٹا، ابھی تم اپنے نانا کے حوضِ کوثر سے سیراب ہونے والے ہو۔''

پھر انگشتری دی، فرمایا:

''اسے چوس لو، تمھاری پیاس بجھ جائے گی۔''

اکبرؑ نے لبوں سے چھوا، سکون پایا۔

پھر فرمایا:

''اب اجازت دیجیے، بابا، میدان میرا انتظار کر رہا ہے۔''

اکبرؑ نے پھر حملہ کیا۔

دشمنوں میں تباہی مچادی۔

لیکن حصین بن نمیر لعین پیچھے سے آیا۔

ایک برچھی چلائی جو سینہ چیرتی ہوئی پار ہوگئی۔

اکبرؑ نے چیخ کر کہا:

''بابا۔ادرکنی!''

امام حسینؑ دوڑے۔

گرد میں بیٹے کو تلاش کیا۔

پکارا:''اکبرؑ! میرے لعل، کہاں ہو؟''

اکبرؑ نے کراہتے ہوئے کہا:''بابا، میں یہاں ہوں۔''

حسینؑ جھکے، بیٹے کا سر آغوش میں لیا۔

پوچھا:

''بیٹا! کچھ چاہیے؟''

اکبرؑ نے کمزور آواز میں کہا:

''بابا! ایک گھونٹ پانی۔''

حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

فرمایا:

''بیٹا! صبر کرو۔تمھارے خدا بھی تمھیں سیراب کرنے والے ہیں۔''

اکبرؑ نے کراہتے ہوئے کہا:

''بابا! دوسرا ہاتھ نہ ہٹایئے۔ برچھی سینے میں ہے۔''

لبوں سے آہ نکلتی تھی مگر آنکھوں میں سکون تھا۔

اکبرؑ نے کپکپاتے ہونٹوں سے کہا:

’’بابا! ایک آخری حسرت ہے۔‘‘

امام حسینؑ لرز گئے، گھٹنوں کے بل جھک گئے،

بیٹے کا چہرہ آغوش میں لیا،

فرمایا:

’’بیٹا! کہو۔کیا چاہت باقی ہے؟‘‘

اکبرؑ نے نحیف آواز میں کہا:

’’بابا! میری بہنا ملکہ فراقؑ ۔

جو مدینہ میں رہ گئی تھی۔

اسے کہیے گا کہ اکبرؑ نے یاد کیا تھا۔

بابا! اگر ممکن ہو۔

مجھے اس سے ایک نظر ملوا دیجیے۔

نورانی شخصیت نے آہستہ کہا:

دیکھ! یہ وہی ملکہ فراقؑ ہے جو مدینہ میں تھی،

جو ہر قافلے سے پوچھتی تھی کہ ’کیا میرے بابا کا پیغام آیا؟‘

جس نے حسینؑ کو خط لکھا تھا،

اور آج وہ خط کربلا کے میدان میں اپنے جواب کے ساتھ لوٹا ہے۔

اکبرؑ کی زبان سے!‘‘

امام حسینؑ نے بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا،

آنسو لبوں تک آ گئے،

فرمایا:

’’بیٹا، تمھاری بہنا ملکہ فراقؑ تمھارے منتظر ہیں۔

خدا کے حکم سے ابھی فرشتے اسے یہ خبر پہنچا دیں گے۔

تمھارا سلام اُس تک ضرور پہنچے گا، میرے لعل!''

اکبرؑ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی،

سینے میں برچھی ہلکی سی، جنبش کے ساتھ لہو بہنے لگا۔

انھوں نے کمزور ہاتھ سے امامؑ کا چہرہ چھوا۔

''بابا۔ میں جا رہا ہوں،

لیکن ملکہ فراقؑ سے کہیے گا، اکبرؑ نے وعدہ نبھایا۔

حسینؑ کے سامنے سر جھکایا،

اور نبیؐ کی راہ میں جان دے دی۔

اکبرؑ کے لبوں پر سکون اُتر آیا۔

حسینؑ نے آسمان کی طرف منہ کیا، پکارا:

''نَادَاءِ رَسُولَ اللّٰہِ! دیکھو، میں نے اپنے اسماعیل کے ہاتھ نہیں باندھے!''

پھر برچھی کھینچی۔ زمین لرز اٹھی، فضا ساکت ہو گئی۔

خیموں میں فریاد گونجی:

''بھیا حسینؑ! اکیلے نہ اٹھاؤ، زینبؑ بھی آ رہی ہے!''

حسینؑ نے تھامے ہوئے، جسم کو سینے سے لگایا:

''نہیں بہن۔ آج میں خود لے جاؤں گا۔

یہ میرا علی اکبرؑ ہے، میرا مصطفیٰؐ کا عکس ہے۔''

خیموں کے قریب پہنچے۔

جنابِ لیلیٰؑ آگے بڑھیں، لرزتے لبوں سے کہا:

''سبحان ربی الاعلیٰ! میری نیک کمائی نیک راہ میں لگ گئی!''

پھر وہ زمین پہ گر گئیں۔

نورانی شخصیت نے آسمان کی طرف دیکھا۔

ماتمی۔ یہ وہ ساعت تھی جب حسینؑ کی کمر ٹوٹی۔

'الآن انکسر ظهری و قلت حیلتی'

یہ زمین نہیں، یہ تاریخ ہے جو وفا کے لہو سے لکھی گئی۔

یہ وہ درد ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ یہ عشق ہے جو قیامت تک بولتا رہے گا۔

نورانی شخصیت (آہستہ):

اے غم کے مسافر۔

اب وہ لمحہ دیکھ جب امام حسنؑ کی امانت اپنے انجام کو پہنچی۔

دیکھ۔ یہ وہ خیمہ ہے جہاں ایک تیرہ سالہ قاسمؑ کھڑا ہے،

،جس کی رگوں میں باپ کی وصیت دوڑ رہی ہے۔

قاسمؑ خیمے کے پردے سے جھانک کر دیکھتا ہے۔

امام حسینؑ زخمی دل کے ساتھ خیموں کے درمیان آہستہ آہستہ چل رہے ہیں۔

ان کے ہاتھوں میں تازہ خون کے داغ ہیں۔

شریکتہ الحسینؑ کے بچوں کی لاشیں وہ خود اٹھا چکے ہیں۔

قاسمؑ آگے بڑھتا ہے، قدم لرزتے ہیں۔

سینہ دھڑک رہا ہے جیسے ہر دھڑکن اجازت مانگ رہی ہو۔

قاسمؑ (روتے ہوئے):

چچا جان۔ مجھے بھی تو اجازت دیجئے

میں بھی فرزندِ حسنؑ ہوں،

مجھے بھی وقتِ وفا عطا کیجئے۔

امام حسینؑ کا چہرہ بھر آیا۔

پلکوں پر نمی، دل میں طوفان

بیٹا قاسمؑ

تو جب سامنے آتا ہے تو بھائی حسنؑ یاد آتے ہیں۔

میں تجھے کیسے میدان میں بھیجوں؟

میرا دل نہیں مانتا۔

امام نے اسے گلے سے لگایا۔

وہ روتے رہے اور وقت تھم گیا۔

قاسمؑ خیمے سے باہر گیا۔

قاسمؑ نے بازو پر بندھا تعویذ کھولا۔

کاغذ کے اندر سے جیسے ماضی بول اٹھا۔

امام حسنؑ کی آواز (روحانی لہجے میں):

بیٹا قاسمؑ۔

جس دن تو یہ خط کھولے گا،

وہ عاشورہ کا دن ہوگا۔

میرا بھائی حسینؑ چاروں طرف سے گھِر چکا ہوگا۔

اگر میں ہوتا تو اپنی جان دے دیتا۔

اب تُو میری عزت ہے، میری امانت ہے۔

جا اور میری طرف سے قربان ہو جا۔

قاسم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

خط کو سینے سے لگایا۔

قاسم (سسکیوں میں):

بابا۔آپ کی وصیت آج پوری ہوگی۔

قاسمؑ خیمے میں آیا، ہاتھوں میں وہ خط تھا۔

امام حسینؑ نے خط لیا، پڑھا۔

لفظ لفظ بھائی حسنؑ کی آواز بن گیا۔

ان کے ہونٹ کانپے، آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

امام حسینؑ (آہ کے ساتھ):

بھائی حسنؑ۔

تو نے اپنی نشانی بھی قربان کے لیے بھیج دی۔

ایک لرزہ بدن میں دوڑا،

ہاتھ سے خط گرا،

امام حسینؑ زمین پر بے ہوش ہوکر گر پڑے۔

نورانی شخصیت نے ہاتھ تھام لیا۔

نورانی شخصیت:

یہ وہ واحد لمحہ تھا جہاں حسینؑ ضبط نہ رکھ سکے۔

جہاں محبت نے صبر کو شکست دی۔

خیمے کے دروازے میں اُمِ فروہؑ کھڑی تھی۔

قاسمؑ آہستہ قدموں سے آگے بڑھتا ہے۔

امّ فروہؑ (آنسو چھپاتے ہوئے):

بیٹا۔اجازت مل گئی؟

قاسمؑ:

جی اماں۔ چچا جان نے رخصت دی ہے۔

ماں نے آسمان کی طرف دیکھا،

ہونٹوں پر لرزتا ہوا تبسم، آنکھوں میں دریا۔

امّ فروہؑ:

جاؤ بیٹا۔

اور ماں کو سرخرو کردو۔

قاسمؑ نے جھک کر ماں کے قدم چومے،

ہاتھوں میں تلوار لی،

چہرہ چمکنے لگا جیسے حسنؑ کی جھلک ہو۔

نورانی ہوا میں نعرۂ وفا بلند ہوا۔

قاسمؑ نے پکارا:

''چاچا جان! میں جا رہا ہوں!''

میدان میں دشمن کی صفیں بکھر گئیں۔

ایک سپاہی بولا:

''یہ بچہ نہیں، بجلی ہے۔ یہ کون ہے، جس کے واروں سے ہم جلنے لگے؟''

قاسمؑ نے نعرہ لگایا:

''اگر تُو علیؑ کو نہیں پہچانتا،

تو قاسمؑ کو دیکھ!

میں حسنؑ کا خون ہوں،

حیدرؑ کی جرات ہوں،

اور حسینؑ کی غیرت ہوں!''

نیزے اٹھے۔

قاسمؑ نے ایک ہی وار میں تین دشمن گرا دیے۔

دوسرا لشکر آیا، اُس نے بھی صفیں توڑ ڈالیں۔

ریت میں خون کے پھول کھل گئے۔

فرشتے حیرت سے دیکھتے رہے۔

کہ کمسن بدن میں کیسا طوفان سما گیا ہے۔

قاسمؑ کی سانس تیز تھی مگر چہرہ روشن۔

ہر وار کے ساتھ لبوں پر ''یا حسینؑ'' تھا،

ہر چوٹ پر مسکراہٹ،

ہر زخم پر ایمان۔

نورانی شخصیت نے ماتمی سے کہا:

''یہ شجاعت ہے۔

کہ تیر لگنے کے بعد بھی نعرہ عشق بلند رہے۔

دیکھ! اُس نے خود کو نہیں بچایا،

حسینؑ کے نام کو بچایا۔''

پھر تلواریں برستی گئیں،

اور قاسمؑ کے بدن سے لہو کے فوارے پھوٹے۔

ایک نیزہ لگا، گھوڑا ابل گیا۔

قاسمؑ زمین پر گرے۔

اور ادھر کے گھوڑے ادھر دوڑے،

ادھر کے گھوڑے ادھر۔

نورانی شخصیت (آنسو بھری آنکھوں سے):

دیکھ! یہ وہ شہید ہے، جس کی دائیں پسلیاں بائیں طرف آ گئیں،

اور بائیں دائیں۔

یہ وہ درد ہے، جس پر آسمان لرز گیا۔

منظر رُک گیا۔

ریت سرخ ہو گئی۔

حسینؑ دوڑتے ہوئے آئے،

یزیدیوں کو تلوار سے ہٹایا۔

امام حسینؑ (روتے ہوئے):

بیٹا قاسمؑ۔ مجھے معاف کر دو،

میں ذرا دیر سے پہنچا۔

لاش ٹکڑوں میں بٹی تھی۔

مولاؑ نے اپنی عبا بچھائی،

ٹکڑے ٹکڑے لاش جمع کی،

عبا کے چاروں کونے باندھے،

اور گٹھڑی کی طرح اٹھایا۔

خیمے کی طرف گئے۔

شریکۃ الحسینؑ دروازے پر تھیں۔

امام حسینؑ (دبی آواز میں):

شریکۃ الحسینؑ۔ میں قاسمؑ کو لایا ہوں،

مگر ماں کو مت دکھانا، کہیں مر نہ جائے۔

امّ فروہؑ نے سن لیا۔

پردہ ہٹا، آگے بڑھیں۔

امّ فروہؑ:

مولاؑ! دکھا دیجیئے، میں کیوں مر جاؤں گی؟

دکھا دیجیئے، میں صبر کی بیٹی ہوں۔

امامؑ نے لاش کے ٹکڑے رکھے۔

بی بیؑ نے نمازِ شکر ادا کی۔

امّ فروہؑ (تبسم کے ساتھ):

شریکۃ الحسینؑ، اُمِّ محمدؑ، حرمِ مولا مسلمؑ

آؤ، مجھے مبارک کہو۔

میری قربانی سب سے زیادہ قبول ہوئی ہے۔

نورانی شخصیت نے رُکتے ہوئے کہا:

''اور حسینؑ نے لاش گنجِ شہدا میں رکھ دی۔

اکبرؑ کی لاش دائیں طرف، قاسمؑ کی بائیں طرف۔

ایک ہاتھ اکبرؑ پر، ایک ہاتھ قاسمؑ پر،

اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا۔

وَا غُرُبَتَا

یا اللہ، میں غریب ہو گیا۔''

نورانی شخصیت بولی:

''آؤ، میں تمھیں دکھاؤں وہ چہرہ، جس نے وفا کو معنی دیا۔ وہ نام، جس پر بہادری ناز کرتی ہے، وہ وجود جو علیؑ کے خیمے سے طلوع ہوا اور حسینؑ کے قدموں میں غروب ہوا۔''

''یہ ہیں عباس ابنِ علیؑ۔ قمرِ بنی ہاشمؑ۔ ان کے وجود میں علیؑ کی ہیبت، زہراؑ کی دعا اور حیدری غیرت کا عکس ہے۔ خدا نے جب شجاعت کو تخلیق کیا، تو اس کا چہرہ عباسؑ کی صورت میں دکھایا۔ یہ وہ ہیں، جنھیں دیکھ کر بہادری نے خود کو شرم سے چھپالیا اور وفا نے اپنے لیے نیا نام مانگا۔ عباسؑ۔''

نورانی شخصیت کی آواز میں لرزش تھی، جیسے تاریخ خود ان کے لہجے میں رو رہی ہو:

''روایت ہے کہ عباسؑ جب خیمے سے نکلتے، تو بنی ہاشمؑ کے جوان ان کے راستے میں نظریں جھکا لیتے۔ اُن کی قامت ایسی بلند کہ گھوڑے پر سوار ہوتے تو پاؤں زمین کو چھوتے۔ چہرہ ایسا روشن کہ دن کی روشنی ماند پڑ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں قمرِ بنی ہاشمؑ کہا گیا— ہاشمیوں کا چاند، علیؑ کے آنگن کا نور۔''

ماتمی کی سانسیں رک گئیں۔

نورانی شخصیت نے کہا:

''وہ فقط حسینؑ کے بھائی نہ تھے۔ وہ ان کے لشکر کے ستون، ان کے یقین کا بازو، ان کی تنہائی کی ڈھال تھے۔ اگر علیؑ شجاعت کا دریا تھے، تو عباسؑ اس دریا کی روانی تھے۔ اگر حسینؑ صبر کا پہاڑ تھے، تو عباسؑ اس پہاڑ کی بنیاد تھے۔ ان کی آنکھوں میں، جنگ کی بجائے عبادت کی روشنی تھی۔

نورانی شخصیت نے آہستہ سے کہا:

''عباسؑ علیؑ کے فرزند تھے۔ وہ جو خود شجاعت کا درخت ہیں۔ ان کی ماں امّ البنینؑ وہ مقدس عورت ہیں، جنھوں نے اولاد کو علیؑ کے قدموں کی قربانی کے لیے پالا۔ ماں نے کہا تھا: 'میرے بیٹوں، تم حسینؑ کے غلام ہو، ان کے بھائی نہیں۔' عباسؑ نے یہ جملہ سینے میں کندہ کرلیا۔ اسی لیے جب حسینؑ کے سامنے آتے تو ادب سے سر جھکاتے اور کہتے: 'میں تیرا بندہ ہوں مولا، تیرا خادم۔'''

''تم جانتے ہو، عباسؑ کے اندر علیؑ کی طاقت تھی مگر ان کے دل میں اُمِ ابیھاؑ کا حیا۔ جب کبھی خیموں سے پردہ دار عورتیں گزرتیں، عباسؑ نگاہیں جھکا لیتے۔، جنگ میں وہ شیر تھے مگر خیموں کے باہر ادب کا پیکر۔ دشمن کہتا تھا: ہم نے بہت بہادر دیکھے مگر ایسا وقار کبھی نہیں دیکھا۔''

''وہ بہادر تھے مگر ان کی تلوار میں غرور نہیں، عبادت تھی۔ ان کی نگاہوں میں غیرت تھی مگر دل میں رحمت۔ جب کوئی ان کے سامنے آتا، وہ پہلے حق سمجھاتے، پھر لڑتے۔ ان کا ہر وار ذکرِ حسینؑ سے شروع ہوتا اور تکبیر پر ختم ہوتا۔''

''کائنات میں دو بازو ایسے بنائے گئے جو صرف عشق کے لیے اٹھے — ایک علیؑ کے، ایک عباسؑ کے۔ علیؑ کے بازو نے خیبر گرایا، عباسؑ کے بازو نے وفا اٹھائی۔ جب یہ بازو کٹے، تو زمین لرز گئی۔ کیونکہ ان کے خون سے وفاداری امر ہو گئی۔''

ماتمی نے آہستہ کہا، ''وہ صرف سپاہی نہ تھے۔''

نورانی شخصیت نے جواب دیا،

''نہیں۔ وہ حسینؑ کے دل کا سکون تھے، بچوں کی امید، خیموں کا سایہ۔ ان کی موجودگی میں کسی عورت کو خوف نہ تھا۔ سکینہؑ کے چہرے پر تب تک اطمینان رہا جب تک علم خیمے کے سامنے لہرا رہا تھا۔ عباسؑ کی ذات خیموں کے لیے قلعہ تھی۔ جب وہ خیمے کے پاس کھڑے ہوتے تو ہوا بھی اجازت لے کر چلتی۔''

''عباسؑ کی عبادت اتنی عمیق تھی کہ ان کا ہر سانس تسبیحِ حسینؑ بن گیا۔ جب رات اترتی، وہ خیموں کے گرد پہرہ دیتے اور دل میں قرآن دہراتے۔ جب اذان ہوتی، ان کی آنکھوں میں اشک چمکنے لگتے۔ کیونکہ وہ حسینؑ کو دیکھتے تو انہیں رسولؐ یاد آتے۔ وہ سمجھتے تھے — حسینؑ عبادت کا مرکز ہیں اور ان کی خدمت سب سے بڑی نماز۔''

ماتمی نے لرزتی آواز میں پوچھا:

''کیا ان جیسا کوئی اور تھا؟''

نورانی شخصیت نے دھیرے سے کہا:

''نہیں، نہ پہلے، نہ بعد میں۔ کیونکہ عباسؑ فقط ایک فرد نہیں — ایک مکتب ہیں۔ وفا کا مکتب، ادب کا مکتب، بندگی کا مکتب۔ ان کا کردار بتاتا ہے کہ قربانی صرف جسم کی نہیں، نیت کی ہوتی ہے۔ ان کی وفا آسمانوں کے فرشتوں نے لکھی، ان کا نام خدا نے خود محفوظ کر لیا۔''

''یاد رکھو! عباسؑ کا ذکر فقط بہادری کا نہیں، عشق کا ذکر ہے۔ ان کے ہاتھ کٹ گئے مگر ایمان سلامت رہا۔ ان کی زبان خاموش رہی مگر وفا بولتی رہی۔ وہ بندہ، جس نے بھائی کے چہرے پر مسکراہٹ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ وہی قمرِ بنی ہاشمؑ ہے، وہی ساقیِ وفا، وہی علمدارِ عشق۔''

دور سے ''العطش۔ العطش۔'' کی صدائیں آ رہی ہیں۔

صدائیں جو فضا میں گھل کر کائنات کے دل کو چیر رہی ہیں۔

نورانی شخصیت:

دیکھ اے ماتمی۔

یہی وہ زمین ہے جہاں ہر ذرّہ نالہ ہے،

جہاں ہوا کا ہر جھونکا بین کرتا ہے۔

یہ وہ لمحہ ہے جب حسینؑ کے خیموں میں پیاس، صبر اور عشق ایک ساتھ قیام کیے ہوئے ہیں۔

آج وفا کا امام اپنے بھائی کو یاد کر رہا ہے۔

ماتمی:

(دھیرے سے)

کون سا بھائی، آقا؟

نورانی شخصیت:

وہ جو وفا کی تفسیر ہے،
جس کی ہیبت سے دشمن کے دل دہل جاتے ہیں،
جس کے وجود سے خیموں میں امان تھی۔
قمرِ بنی ہاشمؑ ،ابوالفضل العباسؑ ۔
دُخترِ حسینؑ:
(ننھی آواز میں)
چچا! یہ مشک آپ پہن لو۔
اصغرؑ بہت پیاسے ہیں۔
میں نے پانی کے لیے اپنے جھولے کا کنارہ بھی بھگویا تھا۔مگر وہ بھی خشک ہو گیا۔
عباس!
(نرمی سے مشک لیتے ہیں،سکینہؑ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں)
بیٹی! دعا کرو کہ تمھارا چچا پانی لائے۔
میں علم اُٹھا رہا ہوں، وعدہ کر رہا ہوں۔
جب تک سانس باقی ہے، حسینؑ کے خیمے پیاسے نہیں رہیں گے۔
(نورانی روشنی پھیلتی ہے، عباسؑ خیمے کی طرف رخ کر کے جھکتے ہیں۔امام حسینؑ باہر آتے ہیں، چہرہ غم سے بھرا ہوا۔)
امام حسینؑ:
بھیا عباسؑ ،
میں تمھیں اجازت دیتا ہوں مگر خیموں کی طرف نہ دیکھنا۔
شریکۃ الحسینؑ اور بچوں کی نگاہیں تمھیں روک لیں گی۔
عباسؑ:

(سجدہ کرتے ہیں)

آقا، میں غلام ہوں۔

اجازت دیجیئے، تاکہ معصومہؑ کے لبوں پر مسکراہٹ آ سکے۔

نورانی شخصیت:

(آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے)

یہ وہ گھڑی ہے جب فرات بھی لرز اٹھا۔

عباسؑ گھوڑے پر سوار ہوئے۔

قد ایسا کہ نیزے چھوٹے لگنے لگے،

اور علم ایسا بلند کہ سورج شرمندہ ہوا۔

(دور سے طبلِ جنگ بجتا ہے۔ عباسؑ علم اُٹھا کر میدان میں جاتے ہیں۔ لشکر یزید کے ہزاروں تیرانداز گھیر لیتے ہیں۔)

عباسؑ پکار اٹھے:

''اے لوگو! کیا تمھارے دین میں یہ روا ہے

کہ رسولؐ کے بیٹے کو پانی سے روکا جائے؟

کتے، خچر اور درندے سیراب ہیں،

مگر حسینؑ کا قافلہ پیاسا ہے؟''

یا عباسؑ! یہ کیسا ظلم ہے۔

عباسؑ نے تلوار گھمائی،

نیزے گرنے لگے،

دشمنوں کی صفیں چاک ہو گئیں۔

آخر کار عباسؑ دریا کے کنارے پہنچے۔

(منظر بدلتا ہے۔فرات کی لہریں چمک رہی ہیں،عباسؑ پانی بھرتے ہیں، چلو میں اٹھاتے ہیں مگر پھر رک جاتے ہیں۔)

عباسؑ:

”عباسؑ ،تو حسینؑ کا بھائی ہے۔

کیا تیرے لب تر ہوں اور آقا پیاسے؟

کبھی نہیں!“

وہ پانی پھینک دیتے ہیں،مشک بھرتے ہیں،گھوڑے کو موڑتے ہیں۔

نورانی شخصیت:

اب یزیدی فوج نے راستہ بند کرلیا۔

نوفلِ ازرق نے تلوار سے وار کیا۔

ایک بازو جدا ہوا۔

عباسؑ نے علم کو بائیں ہاتھ میں تھاما۔

دوسرا وار۔دوسرا بازو کٹ گیا۔

اب مشک کو دانتوں سے تھامے،

گھوڑے کو ایڑی مارتے،خیموں کی سمت بڑھ رہے ہیں۔

ماتمی:

(چیخ کر)

یاعباس۔وہ مشک،وہ پانی۔کیا پہنچا؟

نورانی شخصیت:

نہیں،اے دلِ غم!

ایک تیر اُڑا۔مشک پھٹ گئی۔

پانی مٹی میں بہہ گیا۔

عباسؑ کا چہرہ چمک رہا تھا،

لیکن بدن زخموں سے لہولہان۔

پھر ایک نیزہ سینے میں پیوست ہوا،

اور وہ گھوڑے سے زمین پر آئے۔

ابوالفضلؑ نے زمین پر گرتے ہی کہا:

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَخِیَّ حُسَیْنؑ''

(نورانی فضا میں زلزلہ سا آتا ہے۔ حسینؑ خیمے سے دوڑتے ہیں، ذوالجناح ان کے نیچے تھرتھراتا ہے۔)

نورانی شخصیت:

حسینؑ پہنچے۔

ایک آنکھ میں تیر پیوست۔

ان کے، جسم کے ٹکڑے میدان میں بکھرے پڑے ہیں،

بازو ایک طرف، علم ایک طرف، مشک ایک سمت۔

حسینؑ نے عباسؑ کا سر اپنی آغوش میں رکھا۔

ریت صاف کی، آنسو پونچھے،

(حسینؑ کے صبر کی دیوار ٹوٹ جاتی ہے، لبوں سے بس ایک جملہ نکلتا ہے:)

عباسؑ، آج میری کمر ٹوٹ گئی۔''

عباسؑ نے آہستہ وصیت کی:

''بھیا، میرا لاشہ خیمے مت لے جانا۔

مجھے معصومہؑ سے شرم آتی ہے۔

میں وعدہ پورا نہ کر سکا۔"

حسینؑ نے خالی مشک اُٹھائی،

لاشہ وہیں چھوڑ دیا۔

واپس خیموں کی طرف آئے۔

ہر قدم پر مٹی سے وفا کی خوشبو اٹھی۔

معصومہؑ دوڑ کر آئیں،

پوچھا:

"چچا کہاں ہیں؟"

امام کے لب ہلے مگر الفاظ نہ نکلے۔

خالی مشک نے سب کہہ دیا۔

لاشوں کا سمندر، ٹوٹی تلواریں، نیزوں کے سائے۔

سب خاموش مگر ان کی خاموشی سے ایک صدائے گریہ اُٹھ رہی تھی۔

نورانی ہستی نے آہستہ کہا:

"دیکھ بیٹے۔ سب جا چکے ہیں۔

علی اکبرؑ، عباسؑ، قاسمؑ، عونؑ، محمدؑ۔

سب اپنے خون سے وفا کی تحریر مکمل کر چکے۔

اب صرف ایک تنہا چراغ باقی ہے۔ حسینؑ"

ماتمی کے ہونٹ لرزے:

"سب شہید ہو گئے؟"

نورانی شخصیت نے آسمان کی طرف دیکھا۔

"ہاں! اور اب زمین پر تنہائیِ نبوت اتر آئی ہے۔

دیکھ! وہ خیموں کے درمیان جا رہے ہیں۔

ہر شہید کے بدن پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔

کبھی قاسمؑ کے چہرے پر جھکتے ہیں،

کبھی عباسؑ کے بازوؤں کو چومتے ہیں۔

لب خشک، چہرہ خاک آلود،

قدموں کے نیچے دشتِ بلا،

اور لبوں پر وہ صدا۔

جو آج تک کائنات میں گونج رہی ہے:

''هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنا؟

هَلْ مِنْ مُعِينٍ يُعِينُنا؟

هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يُغِيثُنا؟

هَلْ مِنْ ذَابٍ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ الله؟''

(کیا کوئی مددگار ہے؟ کیا کوئی فریادرس ہے؟

کیا کوئی دفاع کرنے والا ہے رسولِ خدا کے حرم کا؟)

یہ صدا زمین سے نہیں، عرش کے دل سے نکلی تھی۔

اس نے فضا کو چیر دیا۔

فرشتوں کے پر لرز گئے،

لوح و قلم رو پڑے،

اور کائنات کے ہر ذرے نے سسک کر کہا!

''واحسینا! واغریبا!''

ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوئے،

اور عرض کی:

'یا ربّنا! یہ تیرے نبیؐ کا نواسہ ہے!

ہمیں اجازت دے کہ زمین پر اُتریں اور نصرت کریں!'

مگر جواب آیا۔

'حسینؑ خود میری مشیّت کا راز ہیں۔'''

ماتمی نے کانپتے ہوئے پوچھا:

''پھر کوئی نہ آیا؟ کوئی نہیں بولا؟''

نورانی ہستی کے لبوں پر لرزتی مسکراہٹ آئی،

جو دراصل گریہ تھی۔

''نہیں بیٹے!

کائنات خاموش نہیں رہی۔

ہر مخلوق نے اپنی زبانِ حال سے لبیک کہا۔

زمین نے، آسمان نے،

پانی کے قطروں، ہواؤں کے جھونکوں۔

سب نے کہا:

لبیک یا حسینؑ!

سب سے پہلے عرشِ الٰہی سے آواز آئی:

لبیک لبیک یا عبدی یا حجتی علی جمیع الخلق،

یا حبیب حبیبی، انا ناصرک و مغیثک

(اے میرے بندے حسینؑ،

اے میری مخلوق پر حجت!

میں تیرا مددگار رہوں، تیرا فریادرس ہوں۔)

یہ خدا کی لبیک تھی۔

جو کائنات کی ہر لبیک سے بلند تھی۔

ماتمی کے آنسو بہہ نکلے۔

''یعنی خود خدا نے فرمایا: میں مددگار رہوں؟''

نورانی ہستی نے کہا:

''ہاں۔ لیکن حسینؑ کی زبان سے وہ جواب آیا

جس نے عبادت اور عشق کا مفہوم بدل دیا۔

فرمایا:

'اے میرے رب!

اگر میں تیری رضا پاؤں تو ہر بلا گوارا ہے۔

اگر ستر بار زندہ ہو کر تیرے دین کے لیے قربان ہونا پڑے،

تب بھی حسینؑ راضی ہے۔'''

''یہ ہے استغاثۂ حسینؑ کا راز، بیٹے۔

یہ مدد کی فریاد نہیں تھی،

یہ وفا کا اعلان تھا۔

کہ حسینؑ اپنی قربانی سے دین کو زندہ کرنے آئے تھے۔''

اس کے بعد جو بھی حسینؑ کے غم میں رویا۔

وہ اسی استغاثے کا جواب بنا۔

جب تُو کہتا ہے 'یا حسینؑ'،

تو عرش سے جواب آتا ہے 'لبیّک'۔''

ماتمی کے آنسو زمین میں جذب ہونے لگے۔

ریت نم ہوگئی۔

آسمان پر نور چھا گیا۔

نورانی ہستی نے ہاتھ اُٹھائے اور کہا:

’’یہ وہ پکار ہے، جس پر خود ربّ العالمین نے فرمایا‘‘

(اے میرے بندے حسینؑ،

میں تیری نصرت کے ساتھ ہوں،

اور تیرے صبر پر گواہ ہوں۔)

نورانی شخصیت کی نگاہیں افق میں ٹھہر گئیں،

اور اُن کی آواز میں وہی لرزتی ہوئی نرمی تھی جو کربلا کے غبار میں سنائی دیتی ہے۔

انھوں نے ماتمی سے کہا:

’’اے گریہ کُن، دیکھ۔ یہ وہ ساعت ہے، جسے زمانہ سمجھ نہ سکا۔

حسینؑ کا استغاثہ، **’هل من ناصر ينصرنی‘**

جیسے ہی کربلا کی ہوا میں گونجا،

یہ آواز نہ صرف انسانوں بلکہ مٹی، پانی اور آسمانوں تک پہنچی۔

ہر ذرّہ لرز اٹھا،

عرش کے فرشتے سجدے میں گر گئے،

نبیوں کی ارواح نے لبیک کہی،

لیکن اُس لبیک کے جواب میں سب سے پہلی حرکت اُس گہوارے سے ہوئی

جہاں حسینؑ کے لختِ جگر علی اصغرؑ آرام فرما تھے۔

اچانک قنداقہ ہولے سے ہلا،

پھر جھولے نے خود بخود لرزنا شروع کیا۔

وہ ننھا چراغ، وہ خاکی پیکرِ معصوم،

اپنے ہاتھوں کو ہلانے لگا۔

جیسے کسی خاموش نداء کو سن لیا ہو۔

پھر جھولا ذرا تیزی سے، جنبش کرنے لگا،

اور ایک لمحے میں وہ نازک سا بدن گھوارے سے زمین پر آ گرا۔

اہلِ حرم کی چیخیں بلند ہوئیں،

شریکۃ الحسینؑ لپک کر آئیں،

معصومہؑ نے کانپتے ہوئے قنداقے کی طرف دیکھا،

مگر علی اصغرؑ گریہ کرتے ہوئے اپنی ننھی زبان سے

کچھ یوں لب ہلائے جیسے کہہ رہے ہوں۔

''لبیک یا ابا عبد اللہ''

نورانی شخصیت کی آنکھوں سے اشک بہنے لگے۔

انھوں نے لرزتی آواز میں کہا:

''یہ لبیک زمین پر نہیں، آسمان پر لکھی گئی تھی۔

یہ اسماعیل کی قربانی کے بعد

خدا کی راہ میں سب سے پاک صدا تھی۔

اس چھوٹے سے بدن نے

اپنی بے زبانی میں وہ بات کہی جو بڑے بڑے عابد نہ کہہ سکے۔

کہ حسینؑ کے استغاثہ پر سب سے پہلے

اسی ننھے علی اصغرؑ نے لبیک کہا۔

اور زمین کی مٹی نے اپنی گود میں

اُس لبیک کی گونج سن کر خود کو سجدے میں ڈال دیا۔"

آسمان پر سورج زردی میں ڈوبا ہوا تھا، جیسے روشنی خود غم کے بوجھ تلے دب گئی ہو۔

فضا میں خاموشی نہیں تھی۔ بلکہ ایک ایسی چپ تھی جو دل کے اندر سے آتی ہے، جیسے کربلا کی زمین خود بین کر رہی ہو۔

نورانی شخصیت نے ماتمی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ان کی نگاہوں میں کربلا کے زخموں کا عکس تھا اور لبوں پر ایک گہری سنجیدگی۔

ہلکی ہوا چلی، جیسے وقت تھم گیا ہو۔

نورانی ہستی نے آہستہ سے کہا:

"اے عزادارِ حسینؑ، اپنی آنکھیں بند کر، دل کھول دے"

ماتمی نے آنکھیں موندھ لیں۔

نہروں کا پانی بند، زمین بھٹکتی ہوئی روحوں کی طرح تپ رہی تھی۔

نورانی ہستی نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ماتمی نے دیکھا۔

ایک خیمے کے باہر ایک باوقار، غریب و مظلوم امام کھڑے ہیں۔

چہرے پر تھکن نہیں مگر دل میں طوفان۔

آواز آئی:

"یہ حسینؑ ہیں، جواب اپنے سب سے کم عمر سپاہی کے امتحان کی طرف بڑھنے والے ہیں۔"

امامؑ نے خیمے میں نظر ڈالی۔

ان کی آواز نرمی سے گونجی:

"اے ربابؑ! میں تمھیں اپنے شیر خوار علیؑ اصغر کی وصیت کرتا ہوں، اس کی حفاظت

کرنا، اس کی حالت کا خیال رکھنا۔"

ربابؑ کے ہونٹ لرز گئے، آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر تھا۔

وہ عرض کرتی ہیں:

"اے میرے آقا، تین دن سے پانی کا ایک قطرہ بھی اس بچے کے ہونٹوں کو نہیں چھوا۔

اگر ممکن ہو تو اس کے لیے قومِ اشقیاء سے پانی مانگ لیجیے۔"

"یہ وہ لمحہ تھا جب ایک ماں کا دل فریاد کر رہا تھا،

اور ایک باپ، جو نبی کا نواسہ ہے، صبر کی آخری حد پر کھڑا تھا۔"

امام حسینؑ نے کہا:

"میرا شیر خوار مجھے دو، میں اسے اپنے ہاتھوں سے پانی دلواؤں گا۔"

ربابؑ نے علیؑ اصغر کو کپڑے میں لپیٹا، چہرہ چوم کر کہا:

"جاؤ میرے لال، تمھارے بابا تمھیں پانی پلانے جا رہے ہیں۔"

امام نے گھوڑے پر سوار ہو کر عبائے مبارک اپنے کندھوں پر ڈالی،

اور بچے کو عبا کے نیچے ڈھانپا تاکہ سورج کی تپش نہ لگے۔

آفتاب دہک رہا تھا،

ریت کی چمک آنکھوں کو چیرتی تھی،

اور امام میدان کی طرف بڑھے۔

نورانی شخصیت کی آواز کانوں میں اترتی گئی:

"دیکھو! حسینؑ بار بار لوٹتے رہے، ہر بار کوئی نشانی، کوئی دلیل لے کر آتے ــــ تاکہ حجت تمام ہو جائے۔

کبھی قرآن، کبھی عمامۂ رسولؐ، کبھی خطبہ، کبھی نصیحت۔

اور اب، آخری دلیل کے طور پر، وہ اپنے معصوم کو لے کر آئے۔"

ماتمی نے کانپتے ہوئے لبوں سے کہا:

نورانی آقا! یہ بچہ تو صرف چھ ماہ کا ہے۔

نورانی ہستی نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی:

"ہاں! یہی وہ معصوم ہے، جس کی پیاس نے عرش ہلا دیا۔"

امام حسینؑ نے بچے کو بلند کیا اور فرمایا:

"اے لوگو! یہ میرا شیرخوار ہے، دیکھو اس کے ہونٹ پیاس سے کیسے سوکھ گئے ہیں،

اگر حسین تمھارے نزدیک مجرم ہے، تو یہ بے گناہ تو پیاسا نہ مرے!

اسے پانی پلا دو!"

ایک لمحے کے لیے لشکر میں سناٹا چھا گیا۔

کچھ سپاہی رونے لگے، کسی نے کہا:

"اگر ہم اس معصوم کو پانی دے دیں تو کیا ہو جائے گا؟"

ہمدردی کی سرگوشیاں پھیلنے لگیں،

لیکن عمر بن سعد کے چہرے پر شیطانی تاثر گہرا ہو گیا۔

اس نے چیخ کر کہا:

"حرملہ! حسین کا کلام کاٹ دے!"

حرملہ نے سرد لہجے میں پوچھا:

"امیر، باپ کو نشانہ بناؤں یا بیٹے کو؟"

جواب آیا:

"کیا تمھیں اس بچے کے گلے کی سفیدی نظر نہیں آتی؟"

نورانی ہستی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

انھوں نے ماتمی کے دل پر ہاتھ رکھا۔

''اب دل مضبوط رکھ، یہ وہ لمحہ ہے جب زمین نے قیامت دیکھی۔''

حرملہ گھوڑے سے اترا، تیر کمان میں رکھا۔

ہوا تھم گئی۔

ماتمی نے محسوس کیا جیسے فضا سے سانس کھینچ لی گئی ہو۔

ایک ہلکی ''تَن'' کی آواز آئی۔

اور اگلے ہی لمحے،

امام کے ہاتھوں میں وہ قنداقہ تڑپنے لگا جیسے ذبح شدہ پرندہ۔

تیر کان سے کان تک گزر چکا تھا۔

امام نے ایک چیخ دبائی۔

انھوں نے اپنے ہاتھوں کو بچے کے خون سے بھرا،

آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا:

''پروردگار! دیکھ، یہ تیرے نبی کی نسل کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔

یہ معصوم تیرا امانت دار تھا، میں اسے تجھ پر قربان کرتا ہوں۔''

خون آسمان کی طرف اٹھا۔

اور نورانی ہستی نے آہستہ کہا:

''نہ ایک قطرہ زمین پر گرا،

فرشتوں نے ہر بوند کو گواہی کے طور پر اٹھالیا۔''

امام نے لرزتے ہوئے قدموں سے خیمے کی سمت قدم بڑھائے۔

ایک ہاتھ میں قنداقہ، دوسرے میں بچے کا سر۔

ربابؑ خیمے کے دہانے پر کھڑی تھیں۔

انھوں نے لرزتی آواز میں پوچھا:

''مولاؑ! کیا میرے اصغرؑ کو پانی مل گیا؟''

امامؑ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

انھوں نے قنداقہ کھولا۔

ربابؑ نے ایک چیخ ماری،

''ہائے میرا لعل... تیرے گلے پر یہ کیا نشان ہے؟''

خیموں میں کہرام مچ گیا۔

معصومہؑ چیختی ہوئی دوڑی:

''اماں! میرا بھائی کہاں ہے؟ اسے پیاس لگی تھی۔''

ربابؑ نے سر پیٹ کر کہا:

''بیٹی! تیرا بھائی اب پیاس نہیں محسوس کرتا،

وہ اب آسمان کے چشموں سے سیراب ہے۔''

امامؑ نے ربابؑ کو سنبھالا، بچے کے خون آلود جسم کو چوم کر کہا:

''بی بی! یہ قربانی حسین کی نہیں، اسلام کی حیات ہے۔

یہ چھوٹا سا جسم، امت کی بیداری کی دلیل بنے گا۔''

پھر وہ زمین کی طرف جھکے،

شمشیر کی نوک سے چھوٹی سی قبر کھودی،

اور اپنے ہاتھوں سے علی اصغرؑ کو دفن کیا۔

چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں۔

فرمایا:

''پروردگار! یہ قربانی تیرا قرب حاصل کرنے کے لیے ہے،

اگر تو نے نصرت روکی ہے تو اسے ہمارے لیے بلند درجات کا سبب بنا۔''

نورانی ہستی خاموش ہوگئی۔

ماتمی کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

اس نے دھیمی آواز میں کہا:

''یہ منظر دل چیر گیا، آقا۔''

وہ سسکیوں کے درمیان بولا:

''اے نورانی ہستی۔

حسینؑ نے تو کسی شہید کو دفن نہ کیا،

پھر اصغرؑ کو کیوں دفن کیا؟

یہ کون سا راز ہے جو صرف حسینؑ کے دل میں چھپا رہا؟''

نورانی ہستی کی آنکھوں میں آسمان کا غم اور زمین کا سکوت اتر آیا۔

''یہ راز کربلا کے ریت کے ذروں میں چھپا ہے۔

یہ دفن کرنا صرف مٹی کا معاملہ نہ تھا،

یہ ایک عہد تھا،

ایک امانت،

ایک رحم کی گواہی۔

حسینؑ نے کسی اور کو دفن نہ کیا،

کیوں کہ کوئی دوسرا ایسا نہ تھا

جس کا، جسم باپ کے ہاتھوں زمین کے سپرد کیا جا سکے۔

اصغرؑ کا لاشہ چھوٹا تھا،

اور حسینؑ کے ہاتھوں میں سماتا تھا۔

بس اسی قدر آسان تھا اس ظاہری عمل کا انجام۔

پھر دوسرا راز یہ تھا

کہ حسینؑ جانتے تھے۔

کل دشمن کے گھوڑے چلیں گے،

لاشے پامال ہوں گے،

اور اصغرؑ کا نرم بدن،

وہ نازک وجود۔

کسی حشِ قدم کی زد میں نہیں آنا چاہیے۔

تیسرا راز۔

یہ کہ حسینؑ چاہتے تھے

کہ زمین بھی گواہ بنے،

کہ میں نے اپنی قربانی مکمل کر دی۔

یہ خون آسمان پر نہیں گرا۔

یہ خاک کے اندر جا کر کربلا کو مقدس بنا گیا۔

چوتھا راز۔

حسینؑ نہیں چاہتے تھے

کہ اہلِ حرم پھر سے وہ قنداقہ دیکھیں،

کہ اس کے داغ ان کے دل کی سانسیں روک دیں۔

اگر وہ خون آلود کپڑا سامنے رہ جاتا

تو ربابؑ کا دل زندہ نہ رہتا۔

اور آخری راز، اے بیٹے۔

یہ وہی تھا جو فقط معصوم جانتے ہیں۔

کہ خدا نے چاہا

کہ زمین پر پہلا مدفنِ شہید

ایک شیر خوار کے ذریعے قائم ہو،

تاکہ قیامت تک ہر قبر،

ہر ماتم،

ہر زیارت۔

اسی قربانی کی نسبت سے معتبر ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حسینؑ کے ہاتھوں

ایک معصوم کو دفن کر کے

کربلا کی زمین میں حُرمتِ شہادت کا پہلا چراغ روشن ہوا۔

نورانی شخصیت:

اے درد کے وارث۔ یہ وہ لمحہ ہے جب حسینؑ کا زخمی سر خون میں ڈوبا ہے۔

مالک بن یسر کی ضرب نے بوسہ گاہِ رسولؐ کو زخمی کر دیا ہے۔

مگر دیکھ۔ وہ اب بھی میدان سے خیمے کی طرف پلٹ رہے ہیں۔

قدم ڈگمگا رہے ہیں، لیکن چہرہ تسلیم کا آئینہ ہے۔

ماتمی: (دھڑکتے دل سے)

کیا وہ پھر خیمے میں لوٹ آئے؟

نورانی شخصیت:

ہاں! زخموں سے لہولہان مگر چہرے پہ رضا کی روشنی۔

خیمے میں داخل ہوئے تو اہلِ حرم کی صدائیں بلند ہو گئیں۔

شریکۃ الحسینؑ آگے بڑھیں۔

''بھیا! یہ کیا حال بنالیا ہے؟''

حسینؑ نے فرمایا۔

''بہن، ایک کپڑا لاؤ، میں ان زخموں کو باندھ لوں۔''

ماتمی: (آنسو پونچھتے ہوئے)

کپڑا۔ وہی پارچہ، جسے تاریخ نے خون سے تر لکھا؟

نورانی شخصیت:

ہاں۔ شریکۃ الحسینؑ نے لرزتے ہاتھوں سے ایک پارچہ پیش کیا۔

مولا نے عمامہ اُتارا، زخموں پہ پٹی باندھی،

اور شریکۃ الحسینؑ کی آنکھوں میں دیکھ کر فرمایا۔

''بہن، اب کوئی ناصر نہیں رہا۔''

ہاں! اور شریکۃ الحسینؑ لرز کے بولیں۔

''بھیا! کیا آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا ہے؟''

مولاؑ نے فرمایا۔

''جس کا مددگار نہ ہو، وہ اپنی موت سے انکار نہیں کر سکتا۔''

یہ سن کر خیمے میں کہرام مچ گیا۔

شریکۃ الحسینؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور پکارا۔

''**یا جدّاہ! قِلّتِ ناصِرَاہ!**''

ماتمی: (روتے ہوئے)

پھر مولا نے کیا فرمایا؟

نورانی شخصیت:

فرمایا!

''بہنو! اب تم پر صبر فرض ہے۔
مصیبتیں آئیں گی مگر تمھیں حسینؑ کی بہن کہلانا ہے۔''

پھر مولا نے فرمایا۔

''مجھے ایک پرانا لباس دو۔''

سب حیران ہوئے۔

عالیہؑ نے پوچھا،''بھیا یہ کیوں؟''

فرمایا۔

''میری شہادت کے بعد لوگ لباس لوٹیں گے،
شاید یہ کہنہ پیراہن میرے، جسم پر چھوڑ دیں۔''

مولا نے آہ بھر کے کہا۔

''اے معصومہؑ، اے عالیہؑ، اے ربابؑ، اے امِ محمدؑ۔ تم سب پر میرا اسلام آخر ہو۔''

ماتمی: (گریہ میں لرزتے ہوئے) یہ الفاظ تو دل کو چیر دیتے ہیں۔ آخر کیوں یوں فرمایا مولاؑ نے؟

نورانی شخصیت: کیونکہ یہ رخصتِ آخر تھی۔

انھوں نے کہا۔

''بہنو، بیٹیو! یہ آخری ملاقات ہے۔ اب تمھارا ناصر و مددگار فقط خدا ہے۔
اگر رسیوں سے بندھ جاؤ، تو صبر کرنا۔
چادریں چھن جائیں، تو صبر کرنا۔
میں جا رہا ہوں۔ تمھیں اُمِّ ابیھاؑ کے صبر کا پیکر بننا ہے۔''

ماتمی: (روتے ہوئے) یہ بیبیاں کیسی برداشت کر رہی ہیں؟

نورانی شخصیت: برداشت؟

برداشت نہیں۔ایمان کا دریا بن گئی ہیں۔

شریکۃ الحسینؑ آگے بڑھ کر کہتی ہیں:

''بھیا! کیا موت کا یقین ہو گیا؟''

حسینؑ نے فرمایا۔

''ہاں بہن! جس کا کوئی مددگار نہ رہے، اسے اپنی موت پہ یقین ہو ہی جاتا ہے۔''

ماتمی: (گریہ میں جھک کر) اے کربلا! اے زمینِ تقدیس۔ اس وقت آسمان کیسے برداشت کر رہا تھا؟

نورانی شخصیت: آسمان لرز اٹھا تھا۔

شریکۃ الحسینؑ نے پکارا:

''**یا جدّاہ! قِلّتِ ناصِرَاہ!**''

اور حسینؑ نے فرمایا:

''تمھارا ناصر صرف اللہ ہے۔ وہی تمھیں اس صبر کے بدلے عزتوں سے نوازے گا۔''

ماتمی: (بے خودی میں) معصومہؑ کہاں ہیں اس وقت؟

نورانی شخصیت: وہ حسینؑ کے قدموں سے لپٹی ہوئی ہیں۔

کہتی ہیں:

''بابا! اب آپ بھی ہمیں چھوڑ کے جا رہے ہیں؟

آپ کے بعد ہم کس کے سائے میں سوئیں گے؟''

حسینؑ نے آہ بھری اور فرمایا:

''بیٹی، اب تمھارا سایہ شریکۃ الحسینؑ ہوں گی۔

میں تمھیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔''

پھر جھک کر بیٹی کے آنسو صاف کیے،

اور اسے سینے سے لگا کر زمین پہ لٹا دیا۔

یوں جیسے دل کا ٹکڑا زمین پہ رکھ دیا ہو۔

منظر بدلتا ہے۔

امامِ حسینؑ ، جنابِ شریکۃ الحسینؑ کے ہمراہ آہستہ آہستہ خیمۂ امامِ بیمار میں داخل ہوئے۔ سید الساجدینؑ غشی میں تھے۔ شریکۃ الحسین نے لرزتے ہاتھوں سے پیشانی پر ہاتھ رکھا، لبوں سے پکار نکلی:

''بیٹا! اٹھو، تمھارے بابا آئے ہیں۔''

آنکھیں کھلیں، تو دیکھا کہ بابا حسینؑ کا چہرہ لہو میں تر ہے۔ کمزور بدن لرز اٹھا، کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

''بابا! یہ خون کیسا ہے آپ کے رخسار پر؟''

امامؑ نے گہری سانس لی، چہرے پر درد چھا گیا۔ فرمایا:

''بیٹا، یہ تیرے ننھے بھائی علی اصغرؑ کا خون ہے۔ نیزے کی نوک پر پیاس کا ماتم چھوڑ آیا ہوں۔''

جنابِ سجادؑ کے ہونٹ کپکپانے لگے، اشکوں نے رخساروں کو تر کیا۔

''بابا! چچا عباسؑ کہاں ہیں؟ وہ کیوں نہیں آئے؟''

حسینؑ نے نگاہیں جھکائیں، لہجہ ٹوٹ گیا:

''بیٹا، اب خیموں میں مرد صرف میں اور تم رہ گئے ہیں۔ سب شہید ہو چکے۔''

یہ سن کر بیمار امام نے لرزتی آواز میں کہا:

''پھوپھی اماں! ایک عصا اور تلوار دیجیے، میں میدان میں بابا کے ساتھ چلوں گا۔''

شریکۃ الحسینؑ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''بیٹا، تم بیمار ہو۔ تمھارا میدان صبر کا ہے۔''

زین العابدینؑ نے سہارا لے کر اٹھنا چاہا مگر کمزور بدن زمین پر گر گیا۔ حسینؑ دوڑ کر آگے بڑھے، بیٹے کو سینے سے لگایا۔

''بیٹا، تم اب امام ہو... میرے بعد دین کی کشتی کے ناخدا۔ تمھیں کوفہ و شام کا سفر کرنا ہوگا۔ زنجیریں تمھارے ہاتھوں میں ہوں گی، طوق گلے میں مگر تمھیں صبر سے گزرنا ہوگا۔''

امامؑ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ فرمایا:

''بیٹا، تم بیمار ہو، تم پر جہاد ساقط ہے۔ تمھارا جہاد صبر ہے۔ تم ابوالائمہ ہو، تم ان اسیر عورتوں کے محافظ، ان یتیموں کے سہارے ہو۔ ہم راہِ خدا میں سر کٹا رہے ہیں، تم راہِ رضا میں دل کٹاؤ گے۔''

جب حسینؑ خیمے سے باہر آئے تو خیمے کے پردے ہلنے لگے۔

ذوالجناح آگے نہ بڑھا۔

حسینؑ نے دیکھا۔

معصومہؑ اس کے پاؤں سے لپٹی ہیں،

کہتی ہیں: ''ذوالجناح! میرے بابا کو مقتل کی طرف مت لے جا۔

جو گیا، وہ لوٹ کر نہیں آیا۔''

ماتمی: (درد سے ہاتھ اٹھا کر) اے حسینؑ!

نورانی شخصیت: مولا جھک گئے، بیٹی کو گود میں لیا،

اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا،

اور فرمایا۔

''بیٹی، خدا حافظ۔

جلد ملاقات ہوگی۔''

پھر کان میں کچھ کہا۔

جو صرف معصومہؑ کے دل نے سنا،

اور، جس کے بعد وہ خاموش ہوگئی۔

ماتمی: (سسکتے ہوئے) اے نورانی ہستی، وہ کان میں کیا کہا تھا مولا نے؟

نورانی شخصیت: (آنکھوں میں آنسو لیے)

یہ راز فقط کربلا کی مٹی جانتی ہے۔

مگر کہا جاتا ہے۔

مولا نے فرمایا تھا:

''بیٹی، ہم بچھڑ کر جدا نہیں رہیں گے۔

میں تمھیں، جنت میں پھر اپنی آغوش میں لوں گا۔''

ماتمی: (گریہ کرتے ہوئے زمین پر جھک جاتا ہے)

اے زمینِ نینوا۔ تو نے کیسی ساعت دیکھی۔

جہاں حسینؑ نے بیٹی کو چھوڑا،

اور بیٹی نے بابا کو خدا کے سپرد کیا۔

نورانی شخصیت:

یہ لمحہ قیامت سے کم نہ تھا۔

یہ رخصت صرف ایک باپ کی بیٹی سے نہ تھی۔

یہ خدا کی رضا کا سلام تھا، جو حسینؑ کی زبان سے نکلا۔

(نورانی شخصیت:)

اے ماتمی۔ دیکھ کربلا کا وہ میدان

جب زمین سورج کی آگ میں تپ رہی تھی،

اور ظلم کے بادل افق پر گہرے ہو چکے تھے۔

یزید کے بھڑکائے ہوئے شعلے اپنی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔

لاکھوں کا لشکر آمادۂ قتل تھا مگر حسین ابنِ علیؑ کے چہرے پر نورِ اطمینان کی چمک تھی۔

امامؑ نے اتمامِ حجت کے لیے میدان میں قدم رکھا۔

نہ لرزش تھی، نہ خوف۔

انھوں نے لشکرِ اعدا کے سامنے اپنے نسب، اپنی عزت،

اور اپنی رسالت سے قربت یاد دلائی۔

مگر ظالموں کے دلوں پر مہر لگی تھی،

آنکھوں پر پردہ اور سماعت پر قفل۔

امامؑ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی،

اور پھر وہ رجز پڑھا، جس نے تاریخ کو لرزا دیا۔

''میں اس علیؑ کا فرزند ہوں جو بنو ہاشم کے سردار اور سب سے برگزیدہ تھے،

جس پر فخر کرنا ہی کافی ہے۔

میرے نانا رسولِ خدا ﷺ

ہیں، جو تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

ہم اہلِ بیت، انسانیت کے لیے اللہ کا روشن چراغ ہیں۔

میری والدہ اُمِّ ابیہاؑ، رسولِ خدا کی روح کا ٹکڑا ہیں،

اور میرے چچا جعفرِ طیار وہ ہیں، جنھیں خدا نے دو پروں سے نوازا۔

ہم پر اللہ کی محکم کتاب نازل ہوئی،

اور ہدایت و وحی کی خوشبو ہمارے گھرانے سے اٹھی۔''

(ماتمی، لرزتی آواز میں:)

اے نورانی ذات۔ کیسا فخر، کیسا وقار۔

کیا کسی دل نے ان الفاظ کو محسوس نہ کیا؟

(نورانی شخصیت:)

نہیں ماتمی، ان کے دل سیاہ تھے،

اور کانوں پر دنیا کی خواہشوں کا بوجھ۔

دیکھو امامؑ نے اپنے اصحاب کا ذکر کر رہے ہیں

وہ جاں نثار، جو ہر پکار پر لبیک کہتے۔

امامؑ نے فرمایا:

''یہ میرے وہ مددگار ہیں کہ اگر انہیں کسی مشکل میں پکارا جائے

تو وہ تیز و تند نیزوں کے حصار میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔

یہ وہ جوان ہیں جو زرہ پہن کر موت کے دہانے پر بھی مسکراتے ہیں،

اور جان قربان کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں۔

میرے مددگار کیسے کیسے وفادار تھے!

جنھوں نے اپنی روحیں قربان کیں اور، جنت کے لباس زیب تن کیے۔''

(ماتمی، آنکھوں میں آنسو لیے:)

اے میرے مولا، یہ کیسے وفادار جوان تھے۔

(نورانی شخصیت:)

ہاں ماتمی۔ اور جب حسینؑ نے اپنے انصار کو یاد کیا،

تو دل کی آگ شعلہ بن گئی۔

پھر دشمنوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''یہ قوم جفا کار ہے،

جس نے خدا کی نافرمانی کر کے اس کے اجر سے خود کو محروم کر لیا ہے۔

یہ بغض و کینہ کے اسیر ہیں،

اور کہتے ہیں کہ ہم حسینؑ کو اور اس کے ساتھیوں کو فنا کر دیں گے۔

اے ملعون قوم! افسوس ہے تم پر!

تم میرے خلاف اس لیے کھڑے ہو کہ میں نے کوئی گناہ کیا؟

نہیں۔ تم اس لیے آئے ہو کہ میں دو انوار کا پیارا ہوں۔

ایک وہ علیؑ، جو نبی کے بعد ان کے جانشین ہیں،

اور دوسرے وہ رسولؐ جو عالمین کے سردار ہیں۔

میرے والد آفتاب ہیں،

میری ماں ماہتاب،

اور میں ان دونوں کے نور کا درخشاں ستارہ ہوں۔

کون ہے جو میرے جد کی مثل ہو؟

کون ہے، جس کے بزرگ میرے بزرگوں جیسے ہوں؟

میری ماں اُمِّ ابیہاؑ ہیں،

میرے والد علیؑ ہیں، جن کی اطاعت، جنّ و انس پر فرض ہے۔

میں ان دونوں کے نور کا نور رہوں۔"

"میرے والد وہ ہیں، جنھوں نے بچپن سے خدا کی عبادت کی،

جبکہ قریش لات و عُزّیٰ کے سامنے جھکے ہوئے تھے۔

میرے بابا نے دو قبلوں کی طرف نماز ادا کی،

اور رسولِ خدا کے ساتھ اس وقت نماز پڑھی،

جب زمین پر کوئی اور مسلمان نہ تھا۔

وہ صاحبِ ذوالفقار ہیں،

جنھوں نے اسلام کے دشمنوں کو نیست و نابود کیا۔

وہ عینُ اللہ، لسانُ اللہ ہیں،

جن کی عظمت مشرق و مغرب میں تسلیم کی گئی۔

ان کے قدموں سے خانہ کعبہ آباد ہے،

اور عرفات کی ریت ان کی تسبیح میں مصروف ہے۔''

''اے لوگو! میں اسی علیؑ کا فرزند ہوں،

جس کے لیے آسمان و زمین جھکے۔

میں حسینؑ ہوں۔

جس کے وجود سے ایمان کی خوشبو پھیلتی ہے۔''

(ماتمی:)

پھر کیا ہوا۔؟

(نورانی شخصیت:)

پھر زمین لرز اٹھی۔

یزید کے لشکر نے چیخ کر کہا:

''حسینؑ پر حملہ کرو! یہ علیؑ کا شیر ہے، اسے شکست دینا محال ہے!''

جب وہ حملہ ہوا،

ایسا لگا جیسے صفین دوبارہ زندہ ہو گیا ہو۔

ہر وار کے ساتھ ایک فوج فنا ہوئی۔

ایک ہزار نو سو پچاس لعین حسینؑ کی شمشیر سے واصلِ جہنم ہوئے۔

امامؑ کی تلوار آسمان کی بجلی بن گئی ہے

سرزمین پر اس طرح گرتے
جیسے خزاں کے پتّے بے جان ہو کر ٹوٹتے ہیں۔
اس وقت زمینِ کربلا خون سے تر تھی،
مگر حسینؑ کی تلوار ابھی چمک رہی تھی۔
ہر وار اعلانِ حق تھا،
ہر قطرۂ خون گواہیِ وفا۔
ماتمی:
یہ کیسا منظر ہے اے نورانی ہستی؟ ہر سمت خاک، ہر سو نیزوں کی چمک اور یہ آسمان کیوں تھرا رہا ہے؟
نورانی شخصیت:
یہ وہ لمحہ ہے جہاں صبر کا آخری دریا بہہ گیا،
جہاں خالقِ ارض و سما نے اپنے محبوب کے نواسے کو دیکھ کر ملائکہ سے فرمایا۔
''دیکھو! یہ حسین ہے...، جس کے رُخِ انور پر میرا نور جھلکتا ہے۔''
ماتمی (روتے ہوئے):
میں دیکھ رہا ہوں۔
تیروں کی بارش، خاک میں لپٹے لشکر،
اور وہ تنہا حسینؑ، جن کے قدموں کے نیچے زمین بھی کانپ رہی ہے۔
نورانی شخصیت:
ہاں، لشکرِ یزید کے دلوں سے ایمان رخصت ہو چکا۔
شمرِ لعین چلا رہا ہے،
''اے کوفیو! کیا ایک حسینؑ تم سب پر بھاری ہیں؟''

اور پھر زہر آلود تیروں کا سیلاب اُمڈ آتا ہے۔

ماتمی (سسکتے ہوئے):

وہ دیکھیے۔ایک تیر امامؑ کی پیشانی پر لگا۔

اور خون ان کی ریش مبارک پر بہہ رہا ہے۔

اور یہ شمر کی چیخ؟ ''سب حملہ کرو، وہ ناتواں ہو چکے ہیں!''

خدایا، یہ کیسا منظر ہے کہ انسانوں کے دل پتھر بن گئے۔

نورانی شخصیت:

ہاں! پھر ایک نے تلوار ماری بائیں ہاتھ پر،

دوسرے نے دوشِ مبارک پر،

تیسرے نے سینۂ اقدس پر تیر داغا،

چوتھے نے پہلو میں نیزہ مارا۔

اور حسینؑ کے لبوں سے بس اتنا نکلا۔

''**بسم الله وبالله، و علیٰ ملتِ رسولِ الله**''

ماتمی (زمین پر سجدہ کرتے ہوئے):

میں سن رہا ہوں۔ان کا آخری کلمہ۔

اور آسمان سے صدا آ رہی ہے،

''یہ وہ نواسہ ہے، جس کے سوا روئے زمین پر کوئی نبی کا وارث نہیں''

نورانی شخصیت:

ہاں۔جب زہر آلود تیر نے قلبِ اطہر کو چیر ڈالا،

تو امامؑ نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھایا۔

اور خون کی لکیروں میں نور کا تبسم تھا۔

ماتمی:

اے نورانی ہستی۔ یہ کون سا وقت ہے؟

زمین کانپ رہی ہے، آسمان سیاہ ہوا جاتا ہے،

اور میدان میں صرف ایک تنہا حسینؑ باقی ہیں۔

نورانی شخصیت (گہری سانس لے کر):

یہ وہ گھڑی ہے جب تین دن کی بھوک و پیاس نے، جسمِ حسینؑ کو کمزور کر دیا،

لیکن روحِ حسینؑ اب بھی پہاڑ کی طرح استوار ہے۔

دشمنوں کے تیروں کی بارش ہے، تلواروں کی یورش ہے،

نیزوں کے سیلاب نے فضا کو لہو میں ڈبو دیا ہے۔

ہر طرف سے اعداء گھیرے ہوئے ہیں،

تیروں نے، جسم منور کو چھلنی کر دیا۔

مگر وہ چہرہ اب بھی نور سے چمک رہا ہے۔

نورانی شخصیت:

ہاں،

حسینؑ نے تین تیر اپنے دستِ مبارک سے خود نکالے۔

ایک تیر دہنِ اقدس میں لگا،

تالو میں پیوست ہو گیا۔

جب نکالا، تو لبوں سے خون کے ساتھ دعا نکلی:

''اے خدا! میں تیری بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں،

کہ یہ تیری امت تیرے نبی کے نواسے کے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہے!''

ماتمی (آنسوؤں میں ڈوبی صدا):

یہ تو وہ زبان ہے جو قرآن کی تلاوت کرتی تھی۔

اور آج اسی دہنِ مقدس سے خون بہہ رہا ہے۔

نورانی شخصیت (غم میں لرزتی آواز):

پھر دوسرا تیر ابوالحوق نے پیشانی پر مارا۔

جب حسینؑ نے وہ تیر نکالا،

خون ریشِ مبارک پر بہنے لگا۔

انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''اے میرے پروردگار! تو دیکھ رہا ہے میں کن ظالموں کے درمیان ہوں۔''

مگر سب سے جانکاہ تیر خولی ملعون کا تھا۔

تین بھالوں والا تیر۔

اس نے سینۂ اقدس کو چیر دیا،

اور دلِ حسینؑ کو زخمی کر گیا۔

تب امامؑ نے فرمایا:

''بسم الله وبالله، و علیٰ ملّتِ رسولِ الله''

''میں اللہ کے نام سے، اللہ پر بھروسہ کر کے،

اور اپنے نانا کی ملت پر جان دے رہا ہوں۔''

ماتمی (روتے ہوئے):

یہی تو کلمہ ہے جو انبیاء نے لبیک کہہ کر پڑھا تھا۔

نورانی شخصیت (آنسو ضبط کرتے ہوئے):

ہاں، جب حسینؑ نے تیر کو پشت کی جانب سے نکالا،

لہو کا فوارہ جاری ہوا۔

انھوں نے وہ خون چلو میں لیا،

اور آسمان کی طرف پھینک دیا۔

قسم ہے اس ذات کی،

ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا۔

اور پھر آسمان لال ہو گیا۔

ایسا لال، جیسا قیامت کے دن ہوگا۔

نورانی شخصیت (دھیمی، بھاری آواز میں):

اے ماتمی!

اب وہ گھڑی آن پہنچی ہے۔

جہاں زمین کربلا گواہ بن رہی ہے اس سجدے کی

جس کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔

ماتمی (نم آنکھوں سے):

کیا وہ لمحہ۔ وہ آخری لمحہ۔ آ گیا؟

نورانی شخصیت:

ہاں، حسینؑ اب زخموں سے چور،

تیر، نیزے اور پتھروں کی بارش میں

زمین پر تنہا پڑے ہیں۔

دشمن چاروں طرف سے گھیراڈالے کھڑا ہے۔

عمر بن سعد لعین نے چیخ کر کہا:

''حسینؑ کا سر کاٹ لو، اب دیر کیسی؟''

ماتمی (کانپتی آواز میں):

خدایا۔ یہ کیسی گستاخی،

یہ کیسا اندھیرا ہے۔

نورانی شخصیت (غمگین لہجے میں):

ایک ربعی ملعون آگے بڑھا۔

لیکن جب اس نے حسینؑ کے چہرے کی طرف دیکھا

تو لرز گیا۔

اسے رسولِ خدا ﷺ

کا چہرہ نظر آیا۔

اس کے ہاتھ کانپنے لگے،

اور خوف نے اس کے دل کو مفلوج کر دیا۔

پھر سنان بن انس آگے بڑھا،

اس نے خنجر اٹھایا مگر اس کے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔

اسے محسوس ہوا جیسے فرشتے آسمان سے

''الویل، الویل'' کی صدا دے رہے ہوں۔

ماتمی (روتے ہوئے):

تو پھر۔ وہ ملعون شمر؟

نورانی شخصیت (آنسوؤں کے ساتھ):

ہاں، شمر ذی الجوشن۔

جب اس نے دیکھا کہ کوئی حسینؑ کے قریب نہیں جاتا،

تو غرّاتے ہوئے بولا:

''یہ کام مجھ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا!''

اور وہ کند خنجر لے کر

امام کے سینۂ مبارک پر سوار ہو گیا۔

ماتمی (کانپتے ہونٹوں سے):

یا حسینؑ۔ یا حسینؑ۔

نورانی شخصیت:

امامؑ نے سجدے میں سر اٹھایا اور فرمایا:

''تو کون ہے؟ کیا مجھے پہچانتا نہیں؟''

ملعون نے کہا:

''ہاں، میں جانتا ہوں۔

تو علیؑ واُمِّ ابیھاؑ کا بیٹا ہے،

محمد ﷺ

کا نواسہ ہے۔

مگر میں یزید کی دولت کے لیے آیا ہوں۔''

نورانی شخصیت:

اس لمحے بھی حسینؑ نے امت کو یاد کیا۔

اپنے چاہنے والوں کو سلامِ آخر کہا۔

اور فرمایا:

''مجھے نماز کی مہلت دو۔''

پھر سجدے میں سر رکھا۔

اور شمرِ لعین نے

پسِ گردن خنجر چلا دیا۔

بارہ ضربوں کے بعد

وہ نورِ محمدی،

وہ کلمہ کا مرکز،

وہ امامِ معصوم،

زمینِ کربلا پر شہید کردیا گیا۔

ماتمی (چیخ کر):

یارسولَ اللہ! یاعلی!

زمین تو لرز گئی!

نورانی شخصیت (آنکھیں بند کرتے ہوئے):

ہاں، زمین لرز گئی،

آسمان پر سیاہ آندھی چھا گئی،

جنابِ عالیہؑ کی چادر سر سے ہٹ گئی،

اور آپ نے بین شروع کیے:

''بھیا! اب مجھے بے ردا ہونے کا یقین ہو گیا۔

اب مجھے اسیر ہونے کا یقین ہو گیا۔''

ماتمی! ابھی دل تھامے رکھ، ابھی وہ منظر تجھے دکھاؤں گا، جسے دیکھ کر شاید تیرا دل پھٹ جائے، شاید تیرے اشک رک نہ پائیں۔ یہ وہ وقت ہے جب حسین ابن علی علیہ السلام، نبی کے نواسے، علی و زہرا کے لختِ جگر، زمینِ کربلا پر شہید ہو چکے تھے۔ آفتاب بھی تھم گیا تھا، فضا میں سناٹا تھا اور فرشتے گریہ کر رہے تھے۔

ماتمی (روتے ہوئے):

آقا۔ بس کریں۔ مزید برداشت نہیں ہوتا، ہر زخم بولتا ہے، ہر منظر خنجر بن جاتا ہے۔

نورانی شخصیت:

مگر دیکھ اور سن۔کہ یہ تاریخ نہیں، قیامت کا پہلا باب ہے۔

شہادت کے بعد وہ ظالم پلید لوگ پلٹ کر آئے۔نہ احترام، نہ خوفِ خدا۔

جس بدنِ منور پر نبیؐ کا بوسہ تھا، اس کے پاس وہ حیوان آ گئے۔

پہلے تو انھوں نے وہ پرانا، خون آلود لباس بھی اتار لیا،

جس میں ہر تیغ کا نشان تھا، ہر تیر کی لکیریں تھیں۔

مگر سن، ماتمی۔

خاکِ شفا نے پردے کا انتظام کر لیا، کہ کسی کی نگاہ نامحرم نہ ہو۔

زمین کربلا نے حیا کا دامن تان دیا،

کہ زینتِ عرش کا بدن برہنہ نہ نظر آئے۔

پھر وہ ظالم امامِ مظلوم کے اسباب لوٹنے لگے۔

قیس ابن اشعث، جس نے جھوٹے وعدے کر کے حسینؑ کو بلایا۔

یمنی چادر لوٹ لے گیا۔

اسود بن حنظلہ نے آپ کی تلوار چھین لی۔

اسود بن خالد نے نعلین اتار لیے۔

مالک بن بشر الکندی نے آپ کی زرہ، جسمِ اقدس سے الگ کی۔

اور اخنس بن مرتد نے عمامہ اتار لیا۔

وہ عمامہ، جو کبھی رسولِ خدا کے ہاتھ سے باندھا گیا تھا!

ماتمی (گریہ میں):

ہائے رسولِ خدا! ہائے علیؑ وا اُمِّ ابیھاؑ!

کیا نواسہِ رسول کے سر سے عمامہ بھی اتارا گیا؟

نورانی شخصیت:

ہاں! اور ظلم یہیں ختم نہیں ہوا۔

جب امام حسینؑ خون میں تر، خاک پر بے جان پڑے تھے،

تو ایک لعین مالک بن بشر آیا۔

اس نے چہرۂ اقدس پر طمانچہ مارا،

اور عمامہ اتار لیا۔

پھر اسحاق لعین آیا،

اس نے وہ پرانا، چاک لباس کھینچ لیا،

جس پر سو سے زیادہ زخموں کے نشان تھے۔

وہ بدن، جسے زہرا سلام اللہ علیہا نے گود میں جھلایا تھا،

اب کربلا کی تپتی ریت پر پڑا تھا۔

بجدل ابن سلیم آیا۔

امام کے ہاتھوں سے انگوٹھی اتارنا چاہی مگر نہ اتار سکا۔

پھر اس نے خنجر نکالا،

اور حسینؑ کی انگلی کاٹ دی!

زمین نے چیخ ماری،

خاکِ کربلا سے خون پھوٹا۔

پھر عمر سعد لعین نے پکارا۔

''ابنِ زیاد کے انعام کے طالبو! آؤ، حسینؑ کے، جسم پر گھوڑے دوڑاؤ!''

ماتمی، سن، ان دس شقیوں کے نام فرشتے بھی لکھتے ہوئے لرز گئے:

اسحاق ابن جویریہ، اخنس بن مرتد، حکم بن طفیل، عمر بن صبیح،

رجا ابن منقذ، سالم بن حشیمہ، صالح ابن وہب، واعظ ابن ناعم،
ہانی ابن شمبیت اور اسید ابن مالک۔
سب کے سب خدا کی لعنت کے مستحق۔
جب ان ملعونوں نے گھوڑے دوڑائے،
زمین لرز اٹھی، خیموں سے صدائیں بلند ہوئیں۔
فرشتے چلا اٹھے:
''وائے ہو اُس امت پر، جس نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو پامال کیا!''
جنابِ عالیہؑ گریہ کرتے ہوئے گئیں،
فرمایا: ''اے زمینِ کربلا، تھم جا،
میرے حسینؑ کی لاش پر اپنے زلزلے نہ برسا،
کہ یہ اب بھی امامِ وقت ہیں!''
ماتمی (دھاڑیں مار کر روتے ہوئے):
آقا! اب تو دل چاک ہو گیا۔
میں نے سنا تھا کربلا قیامت ہے،
آج دیکھا کہ قیامت بھی کربلا کے سامنے کچھ نہیں۔
نورانی شخصیت (آوازِ لرزاں، رنج و جلال سے لبریز):
ماتمی۔ ابھی ختم نہیں ہوا۔
میں تجھے وہ لمحہ دکھاتا ہوں جب صبر بھی لرز گیا،
اور عرشِ الٰہی سے صدائے ''وائے حسینؑ'' بلند ہوئی۔
جب حسین ابنِ علیؑ کے، جسمِ منور پر ظلم کی آخری انتہا ہوئی،
تو خیموں میں شریکۃ الحسینؑ نے یہ نعرہ سنا۔

کہ دشمن اب لاشِ مظلوم پر گھوڑے دوڑانے کو آمادہ ہے۔

ماتمی (کرب سے بھرپور):

آقا نہیں۔ وہ پاک بی بی۔ وہ منظر کیسے سہ پائیں گی؟

نورانی شخصیت (آنسو بہاتے ہوئے کہا):

شریکۃ الحسین سلام اللہ علیہا نے چیخ ماری،

رونے لگیں اور چہرے پر ہاتھ مارے۔

مدینہ کی سمت رخ کیا،

اور نالہ کیا:

"نانا جان ﷺ!

ذرا اپنے لختِ جگر حسینؑ کی حالت دیکھئے،

کیسے ظلم و ستم کے ساتھ انہیں شہید کیا گیا ہے۔"

بی بی کی فریاد نے فضا ہلا دی،

زمینِ کربلا نے سسکی لی،

لیکن ان ظالموں کے دل پتھر سے بھی سخت تھے۔

انھوں نے نعرہ لگایا۔

کہ "اب گھوڑے حسین کی لاش پر دوڑاؤ،

تاکہ یزید کی خوشنودی حاصل ہو!"

ماتمی (آہ و بکا میں):

ہائے ظالمو! کیا اتنا بھی خوفِ خدا نہ آیا؟

نورانی شخصیت (دھیمی مگر لرزتی ہوئی آواز میں):

بیبیاں خیموں کے دروازوں پر آئیں،

عالیہؑ نے ہاتھ اٹھا کر پکارا:

''اے ظالمو! کیا تم میں کوئی ایک مرد نہیں

جو میرے بھائی حسینؑ کی لاش کو بچا لے؟

کیا نبیؐ کی حرمت کا ذرا سا بھی لحاظ نہیں؟''

مگر اے ماتمی!

ان کی آواز ریت میں گم ہو گئی،

اور ان ملعونوں نے گھوڑے دوڑا دیے۔

امامؑ کا سینہ و پشت ریزہ ریزہ ہو گئی،

لاشِ مطہر سے ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز آ رہی تھی۔

خاکِ کربلا خون میں تر ہو گئی۔

فرشتے فریاد کر رہے تھے:

''اے عرش کے خدا! کیا یہ وہی حسینؑ نہیں

جن پر نبیؐ نے اپنا ہاتھ رکھا تھا؟''

ماتمی (رندھی ہوئی آواز میں):

ہائے اُمِّ ابیھاؑ! ہائے عالیہؑ!

اگر اُمِّ ابیھا سلام اللہ علیہا وہاں ہوتیں،

تو زمین کو شق کر دیتیں،

عرش الٹ دیتیں،

وہ بی بی، جو عید پر بچوں کے کپڑوں کی تاخیر سے پریشان ہو جاتی تھیں،

آج اپنے حسینؑ کو زخمی بدن،

کٹے ہوئے سر کے ساتھ تپتی ریت پر دیکھتیں۔

تو کائنات پگھل جاتی۔

جب یہ ظالم لاشِ امام کو پامال کر چکے ہیں،

اور گھوڑے خون سے رنگے واپس پلٹ رہے ہیں

تو یہ منظر ایسا ہے کہ خود آسمان بھی خون رو رہا تھا

ماتمی نے لرزتی ہوئی آواز میں عرض کیا:

''اے نورانی ہستی!

میں نے مقتل کا ہر منظر دیکھ لیا۔

تلواروں کی چمک، نیزوں کی چبھن،

زخمی بدنوں کی سسکیاں،

اور ذوالجناح کی آہ و فغاں سب سن لیں۔

اب دل کہتا ہے بس کر۔

میرے حوصلے کی حد آ گئی ہے۔

مجھے بتایئے۔ خیموں میں کیا گزری؟

عالیہؑ و معصومہؑ پر کون سا پہاڑ ٹوٹا؟

مگر خدارا، منظر نہ دکھایئے۔

میں وہ تصویریں نہیں سہہ سکوں گا۔

بس لفظوں میں سنا دیجیے،

اگر ممکن ہو،

کیا وہ بیبیاں بچ گئیں؟

کیا اُن کے دلوں نے اپنے حسینؑ کی صدا سنی؟

کیا اُن کے خیمے سلامت رہے؟

میں دیکھ نہ سکوں گا مگر سننا چاہتا ہوں۔"

نورانی ہستی خاموش ہوگئی۔

چہرہ غم سے بھر آیا،

نگاہیں جھک گئیں،

اور درد کی ایک لمبی سانس کے بعد بولی:

"اے ماتمیِ وفادار۔

جو تو نے نہ دیکھا،

وہ زمین و آسمان نے لرز کر دیکھا۔

جب وہ شقی لشکر حسینؑ کے قتل سے فارغ ہوئے۔

تو آفتابِ وفا، ذوالجناح،

مقتل میں دیوانہ وار دوڑتا پھر رہا تھا۔

اُس کی ٹاپوں سے زمین لرز رہی تھی،

اور اُس کی ہنہناہٹ فضا میں فریاد بن گئی تھی۔

عمر سعد نے چیخ کر کہا:

'اس گھوڑے کو پکڑو! یہ رسولِ خدا ﷺ

کی سواری ہے!'

مگر جب بدبخت آگے بڑھے،

وہ کسی کو لات مارتا، کسی کو دانتوں سے کاٹ لیتا،

اپنے مولا کے غم میں ڈوبا ہوا تھا۔

کئی ظالم اُس کے سموں تلے خاک میں مل گئے۔

عمر سعد نے کہا: 'ہٹ جاؤ سب! دیکھو یہ گھوڑا کیا کرتا ہے!'

پھر ذوالجناح آہستہ آہستہ لاشوں کے بیچ چلنے لگا۔

ایک ایک بدن کو سونگھتا، پہچانتا،

جیسے اپنے حسینؑ کو تلاش کر رہا ہو۔

آخر اُس نے ایک بدن کے قریب آ کر ٹھہر گیا،

فَجَعَلَ يَشُمُّ رَائِحَتَهُ وَيُقَبِّلُهُ

اس نے پہچان لیا،

یہی میرا مولا، یہی حسینؑ ہیں۔

وہ اُن کے قدموں کو بوسے دیتا،

اُن کے بدن کی خوشبو کو اپنے وجود میں سمیٹتا،

وَيُمَرِّغُ نَاصِيَتَهُ عَلَيْهِ

پیشانی خاک پر رگڑتا،

یوں روتا جیسے ماں اپنے جوان بیٹے پر بین کرتی ہے۔

تماشائی پتھر بن گئے۔

وہ منظر ایسا تھا کہ خود ریت بھی رو رہی تھی۔

پھر ذوالجناح نے اپنا سر

خونِ حسینؑ میں ڈبویا،

فَوَضَعَ نَاصِيَتَهُ فِي دَمِ الْحُسَيْنِ،

اور چیختا، ہنہناتا،

خیامِ حسینی کی سمت روانہ ہوا۔

وہ خبر دینے جا رہا تھا

کہ آفتابِ کربلا غروب ہو چکا ہے۔

جب گھوڑے کی فریادی آواز خیموں تک پہنچی،

تو، جنابِ عالیہ نے معصومہؑ سے فرمایا:

'بیٹی، یہ آواز میرے بھائی کے گھوڑے کی ہے۔

شاید تمھارے بابا آئے ہوں،

شاید تمھارے لیے پانی لائے ہوں۔'

جنابِ معصومہؑ لرزتی سانسوں کے ساتھ درِ خیمہ تک دوڑیں،

آنکھوں میں اُمید کی چمک۔

مگر جب دیکھا۔

گھوڑا اکیلا تھا،

پیشانی خون سے تر،

زین خالی، لگامیں ٹوٹی ہوئی۔

یہ منظر دیکھا تو سکینہؑ کے لبوں سے چیخ نکلی:

اے پھوپھی اماں! میرے بابا حسینؑ شہید ہوگئے!'

یہ صدا خیموں میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

جنابِ عالیہؑ چیخ اٹھیں،

اور خیموں میں کہرام مچ گیا۔

بچے، بیبیاں، سب ذوالجناح کے گرد جمع ہوگئے،

آنسوؤں، فریادوں، چیخوں کا طوفان برپا ہوگیا۔

بی بی معصومہؑ ذوالجناح کے سموں سے لپٹی ہوئی تھیں۔

ان کے نازک ہاتھوں نے گھوڑے کے پاؤں کو ایسے پکڑا جیسے اپنے بابا حسینؑ کے آخری لمس کو محفوظ کرلینا چاہتی ہوں۔

ان کے ہونٹ لرز رہے تھے، سانسیں ٹوٹ ٹوٹ کر نکلتی تھیں،
اور ہر لفظ میں وہ آگ بھری تھی جو دل کے اندر دہک رہی تھی۔
اور ہوا، معصومہؑ کے بینوں کے ساتھ رو رہی تھی۔
وہ رو رو کر پکارتی تھیں:
''بابا! دشمنوں نے آپ کو بے جرم و خطا قتل کر دیا۔
بابا! آپ کا سر کہیں اور، بدن کہیں اور ہے۔
بابا! میں آپ پر قربان جاؤں۔
آپ کے بعد یہ دُنیا تاریک ہوگئی، بابا!''
ان کے آنسو مقتل کی ریت میں جذب ہو رہے تھے،
اور ہر آنسو میں ایک فریاد چھپی تھی،
جناب عالیہؑ نے یہ دلخراش بین سنے تو آنکھوں سے اشک رواں ہوئے
اُمِّ محمدؑ لرزتی ہوئی معصومہؑ کی طرف بڑھیں،
چہرہ خاک آلود، ہونٹوں پر کپکپی،
آنکھوں سے موتی نہیں، چنگاریاں بہہ رہی تھیں۔
انھوں نے معصومہؑ کو گلے سے لگایا مگر
معصومہؑ کی ہچکیاں رکنے کا نام نہ لیتی تھیں۔
''بابا''۔ وہ پھر بولی۔
''بابا، آپ کی معصومہؑ اکیلی رہ گئی۔
دشمنوں نے آپ کی سواری کو بھی زخمی کر دیا۔
آپ کے گھوڑے کی پیشانی خون میں تر ہے۔
اہلِ حرم کی آنکھوں سے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

کسی نے چیخ ماری، کسی نے مٹی اپنے سر پر ڈال لی۔

شریکۃ الحسینؑ کی آنکھوں میں ایک ایسا دکھ تھا

جس میں کربلا کی پوری تاریخ سمٹ آئی تھی۔

جنابِ معصومہؑ نے پھر روتے روتے سر اُٹھایا،

آسمان کی طرف دیکھا،

اور لرزتی آواز میں کہا:

''اے موت! تو کہاں ہے؟

کیا میرے بابا کے بعد بھی تُو زندہ رہ سکتی ہے؟

اے زمین! کیا تو حسینؑ کے خون کے بعد بھی ٹھہر سکتی ہے؟''

پھر وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گئیں۔

جنابِ اُمِّ محمدؑ نے آگے بڑھ کر

ذوالجناح کی پیشانی پر ہاتھ رکھا،

اور آسمان کی طرف منہ کر کے پکارا:

وَا مُحَمَّدَا! وَا عَلِيًّا! وَا حَسَنَا!

اے میرے نانا محمدؐ!

اے میرے بابا علیؑ!

اے میرے بھائی حسنؑ!

یہ حسینؑ ہیں۔

جنھیں آپ کندھوں پر اٹھاتے تھے،

اب ان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا،

ان کا سر جدا کر دیا گیا،

ان کا عمامہ لوٹ لیا گیا،

ان کی عبا چھین لی گئی!

پھر، جنابِ اُمِّ محمدؑ روتے روتے بے ہوش ہوگئیں۔

اور ادھر وہ گھوڑا۔

آہ! وہ وفادار گھوڑا۔

زمین پر گرا،

اپنی پیشانی خاک پر ماری،

اور اپنی جان دے دی۔

رونے کا مقام ہے ماتمی۔

کہ جانور نے وفا میں جان دے دی،

اور انسانوں نے ظلم میں انسانیت کی حدیں توڑ دیں“

اے ماتمی۔ سن، وہ وقت آ پہنچا جب آلِ محمدؐ، علیؑ و اُمِّ ابیھاؑ کے خیام پر ظلمتوں کے سائے چھا گئے۔

جب وہ ملعون، ان مقدس خیموں کی تاراجی کے ارادے سے اکٹھے ہوئے۔

تو مستوراتِ حرم، خوف و فغاں میں خیموں سے باہر نکل آئیں۔

گریہ وزاری کرتے ہوئے کہنے لگیں:

’محمد مصطفیٰؐ کہاں ہیں؟ علی مرتضیٰؑ کہاں ہیں؟ حسن مجتبیٰؑ، حمزہؑ، جعفرؑ، عباسؑ ۔۔ کہاں ہیں تم سب؟“

اے ماتمی۔ دیکھ اس صحرا کو،

جہاں ان کی صداؤں نے فضا چیر دی۔

آگے سن! شمرِ لعین نے آواز دی:

’اے لوگو! خیام میں گھس جاؤ، جو کچھ ہے لوٹ لو!‘

اور وہ سارے کمینے، رسولؐ کے حرم میں در آئے۔

کسی نے زیور چھینا، کسی نے پردہ چاک کیا۔

دیکھ! وہ مظلومہ طاہرہ اُمِّ محمدؑ۔

ان کے کانوں سے گوشوارے یوں لوٹے گئے کہ گوش مبارک لہو سے بھر گیا۔

قیس بن اشعث نے امامؑ کا قطیفہ چھینا،

اسود نے نعلینِ مبارک اٹھائی۔

ہر طرف لوٹ مار کی آگ بھڑک اٹھی۔

خیموں کے ساز و سامان تک لوٹ لیے گئے۔

آہ۔! سن وہ آہیں، جو دختر انِ رسول کی لبوں سے نکلیں۔

آہ، وہ نالے، جنھوں نے آسمان کو لرزا دیا۔

ابن سعد نے پکار کر کہا:

’تباہ کر دو سب کچھ! حرمِ رسول کو اپنے خیموں میں ہی مرنے دو!‘

اور پھر ایک اور حکم آیا:

’خیموں کو آگ کیوں نہیں لگاتے؟‘

ایک بد بخت بولا: ’جلا دو سب کچھ! تاکہ جو اندر ہے وہ راکھ ہو جائے!‘

مگر ایک دل ابھی باقی تھا۔

ایک شخص، جو رسولؐ سے محبت کرتا تھا، رو پڑا اور کہا:

’افسوس تم پر! تم نے فرزندِ رسولؐ کو قتل کیا، اب ان کی مستورات کو بھی جلاؤ گے؟

کیا خدا کا عذاب تم پر نہیں نازل ہو گا؟‘

لیکن ماتمی۔

ابن سعد نے اس کی صدا ان سنی کردی۔

بولا: 'خیام کو لوٹ لو!'

پھر وہ بیمار کربلا، سید الساجدینؑ کے قتل کا ارادہ کرنے لگے۔

شمر آگے بڑھا: مگر دیکھ، نورانی حجاب کے اندر سے شریکۃ الحسینؑ باہر آئیں،

اپنے بیمار بھتیجے پر گر پڑیں اور فرمایا:

'خدا کی قسم! میں اپنے بھتیجے سے پہلے قتل ہونا پسند کروں گی!'

پاک بی بی کے یہ جملے اور لہجہ حیدرع سن کر ظالم قتل سجادع سے باز رہے۔

جب آگ لگی:

تو حرمِ طہارت میں قیامت اُتر آئی۔

بیبیاں ادھر اُدھر منتشر پھر رہی تھیں،

کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ جائے پناہ کہاں ہے،

کس سمت جائے کہ آگ نہ لگے،

کہ ہر سمت دہک رہا تھا۔

ایک بچی کی حالت یہ تھی

کہ اس کے لباس کے دامن میں آگ لگ چکی تھی،

اور وہ بے خبر، حیران، سہمے قدموں سے بھاگتی تھی۔

کسی بی بی کی ردا میں شعلہ لپک اٹھا،

اور وہ ضبط کے عالم میں اسے بجھانے کے بجائے

اپنے یتیموں کو ڈھونڈ رہی تھی۔

نورانی شخصیت کی آواز بھرا گئی

شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور کربلا کی ریت آنسوؤں سے تر تھی۔

اسی ہنگام میں، جنابِ عالیہؑ اپنے بیمار بھتیجے کے خیمے میں آئیں اور فرمایا:

'بیٹا! اب تو خیمے جلنے لگے ہیں۔'

امامِ زین العابدینؑ نے نحیف آواز میں کہا:

'پھوپی اماں، بیبیوں کو حکم دیجیے کہ خیموں سے باہر نکل جائیں۔'

آہ۔ دیکھو تو سہی۔ امامِ وقت کا حکم اس گھڑی بھی قائم ہے،

جب آگ چاروں طرف دہک رہی ہے اور ہر دل میں اُمِّ ابیھاؑ کی یاد سُلگ رہی ہے۔

جنابِ عالیہؑ نے فوراً بیبیوں کو آواز دی:

'نکل جاؤ بی بیبیوں! باہر نکل جاؤ!'

بیبیاں لرزتی ہوئی خیموں سے باہر آئیں،

جنابِ عالیہؑ بچوں کو لے کر باہر گئیں،

کچھ کو بٹھایا، پھر واپس دوڑ کر اندر گئیں،

پھر کسی اور خیمے سے دوسرے بچوں کو اٹھایا۔

مگر جب پلٹیں تو اچانک ایک خیال نے دل کو چیر دیا۔

'ہائے! میرا بیمار بھتیجا، زین العابدینؑ۔ وہ تو اُٹھ بھی نہیں سکتے،

دھوئیں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا،

آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے،

دل اضطراب میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ ایک خیمے میں گئیں۔ امام نہ ملے،

دوسرے میں گئیں۔ وہاں بھی سناٹا،

تیسرے خیمے میں، جہاں شعلے بھڑک رہے تھے،

وہاں داخل ہوئیں۔

کسی نے پوچھا:

'بی بی! آپ کیوں بار بار جلتے خیموں میں جاتی ہیں؟ کیا کوئی چیز رہ گئی ہے؟'

جنابِ عالیہؑ نے اشکوں میں جواب دیا:

'چیز تو کوئی نہیں، میرا بیمار بھتیجا نہیں مل رہا۔'

آخر وہ ایک خیمے میں گئیں۔

اور امام زین العابدینؑ کو سینے سے لگائے باہر نکلیں۔

انھیں زمین پر لٹایا، بازو تھام کر فرمایا:

'بیٹا! دیکھو، خیمے جل گئے، ہمارے سروں سے چادریں چھن گئیں'

اے ماتمی!

اس وقت کی زمین کربلا کی زمین تھی۔

جہاں ہر سمت لاشیں بکھری تھیں۔

کہیں حسینؑ کا، جسم بے سر،

کہیں عباسؑ کے بازو جدا،

کہیں قاسمؑ، علی اکبرؑ اور اصغرؑ کے خیمے سنسان۔

بیبیاں کسی گوشے میں بیٹھی تھیں،

ان کی گودوں میں سہمے بچے رو رہے تھے،

وہ اتنے گھبرا گئے تھے کہ رونا بھی فریاد بن گیا تھا۔

جنابِ عالیہؑ کبھی امام سجادؑ کے پاس آتی ہیں:

'بیٹا! سجاد آنکھیں کھولو؟ دیکھو اب تم ہی آسرا ہو ہمارا؟'

پھر معصومہؑ کے پاس جا کر انھیں گود میں اٹھاتی ہیں۔

معصومہؑ آنسوؤں میں کہتی ہیں:

'پھوپھی جان! میرے بابا کہاں ہیں؟ مجھے بابا کے پاس لے چلو'

جنابِ عالیہؑ ضبط کے ساتھ،
کبھی بچوں کو تھامتی ہیں، کبھی بیبیوں کو تسلی دیتی ہیں،

اور آخر میں آسمان کی طرف دیکھ کر کہتی ہیں:

'اے خدا! یہ تیرا امتحان ہے،

ہم تیری رضا پر راضی ہیں۔

سن ماتمی!

رات کے اندھیروں نے خیمۂ اہلِ حرم کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

خاکِ کربلا پر وہ خاموشی چھائی ہے جو شہادت کے بعد رہ جاتی ہے۔

بس کبھی کبھی ہوا کی سرد لہر، جلتے خیموں کی راکھ کو ہلکا سا اُڑاتی ہے۔

اسی سناٹے میں، جنابِ عالیہؑ تمام بیبیوں کے بیچ میں بیٹھی ہے۔

امامِ زین العابدینؑ، بیمار و نحیف، ان کے پہلو میں لیٹے ہیں۔

شریکۃ الحسینؑ نے نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھائیں۔

وہ آسمان، جس نے دن میں بھائی کی مظلومیت دیکھی تھی۔

اور نرم، لرزتی آواز میں فرمایا:

''بیبیوں، فکر نہ کرو، آج رات میں تمھارا پہرہ دوں گی۔

میں تمھاری حفاظت کروں گی۔''

بیبیاں زخموں، آنسوؤں اور خوف میں گھری،

عالیہؑ کے الفاظ سے جیسے کچھ لمحوں کو سکون پا گئیں۔

وہ سب دائرہ بنا کر بیٹھی ہیں۔

درمیان میں امام سجادؑ۔

اور عالیہؑ، پہرہ دیتی ہوئی،

کبھی آسمان کی طرف دیکھتیں، کبھی جلتی راکھ کی طرف۔

یکا یک۔

دور سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔

رات کی سیاہی میں اس کا سراپا دھندلا سا تھا،

مگر خیمہ گاہ کے قریب آتا جاتا تھا۔

شریکۃ الحسینؑ چونکیں، اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان کی آواز لرزتے صبر کے ساتھ فضا میں گونجی:

''آنے والے ٹھہر جا!

آج میرا پہرہ ہے۔ آگے نہ آنا!

یہ حرمِ رسولؐ ہے، یہاں کوئی قدم آگے نہیں بڑھا سکتا!''

سوار مگر آگے بڑھتا چلا آیا۔

شریکۃ الحسینؑ نے ایک قدم آگے بڑھایا،

تلوار نہیں مگر غیرتِ علوی کا لہجہ اُن کے وجود میں بول اُٹھا۔

''اے آنے والے، خبردار!

میں عالیہؑ بنتِ علیؑ ہوں، آگے نہ آ۔!''

یہ کہہ کر انھوں نے سوار کے گھوڑے کی باگ تھام لی۔

لمحہ بھر کو سناٹا چھا گیا۔

پھر وہ سوار رُکا،

نقاب اُٹھائی۔

اور عالیہؑ کے لبوں پر ایک لرزتی صدا نکلی:

''بابا!''

سوار نے فرمایا:

''بیٹی عالیہؑ، میں ہوں۔ تمھارا بابا علیؑ!''

عالیہؑ کے ہاتھ لرز گئے،

باگ چھوڑ دی مگر قدم زمین پر جم گئے۔

آنسوؤں کی ایک لہر اُن کے چہرے پر بہہ نکلی۔

انھوں نے آگے بڑھ کر رکاب تھام لی اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

''بابا۔ اب آئے ہو؟

بابا! اب پہنچے ہو؟

جب معصومہؑ کی چادر لٹ گئی،

جب عباسؑ کے بازو کٹ گئے،

جب حسینؑ خاک وخون میں تڑپ گئے۔

بابا! اب آئے ہو؟''

آواز بھرا گئی،

فضا لرز اُٹھی۔

امام علیؑ نے اپنی بیٹی کو دیکھا،

آنکھوں میں وہی نور، وہی دکھ، وہی سکون۔

فرمایا:

''بیٹی عالیہؑ، صبر کرو۔

یہی تمھاری عبادت ہے۔

اب حسینؑ کی امانت تمھارے ہاتھ میں ہے۔

کل صبح کوفہ کی راہ تمھاری صبر کی گواہی دے گی۔''

عالیہؑ نے سر جھکا لیا،

اشکوں میں چمکتا ہوا ایک لمحہ،

جیسے صبر نے خود رو کر کہا ہو۔

''شریکۃ الحسینؑ ہی علیؑ کی بیٹی ہے جو صبر کی ملکہ ہے۔''

نورانی شخصیت نے گہری سانس لی،

اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی:

''اے ماتمیِ حسینؑ۔

آہ! ایک وقت ایسا بھی آیا۔

جب وہ لٹا ہوا قافلہ،

جس کے ہاتھوں میں زنجیریں تھیں،

پاؤں میں بیڑیاں،

اور دلوں پر کربلا کا داغ۔

قید ہوکر، بے پالان اونٹوں پر سوار،

اسی مقتل کی طرف لوٹایا گیا۔

جہاں کل تک حسینؑ کے نعرے گونج رہے تھے،

آج وہاں معصومہؑ کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

بیبیوں نے جب نظر اٹھائی۔

تو کیا دیکھا؟

اپنے پیارے، اپنے لختِ جگر،

گرم ریت پر، خاک وخون میں غلطاں سوئے ہوئے ہیں۔

کوئی لاش بے سر ہے،

کوئی سینے پر تیر لیے بے حس وحرکت۔

اور بیبیوں نے وہ منظر دیکھا

تو اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا۔

لاشوں سے لپٹ گئیں،

اور ایسا گریہ کیا،

ایسا ماتم برپا ہوا،

یوں لگتا تھا جیسے قیامت برپا ہو چکی ہو۔

اُس وقت ایک بی بیؑ آئی،

اور اُس کی گود میں ایک ننھی سی بچی تھی۔

وہ بچی اپنے سر پر خاک ڈال رہی تھی،

ننھے ننھے ہاتھوں سے اپنے سر کو پیٹ رہی تھی،

اور بار بار رو کر کہتی تھی:

''کہاں ہیں میرے بابا حسینؑ؟

میرے بابا کہاں گئے؟

کہ میری یہ حالت دیکھیں!''

پھر اچانک وہ بچی دوڑ کر آگے بڑھی،

اور ایک لاش کے قریب جا رکی۔

پہچان لیا، وہ اس کے بابا حسینؑ کی لاش تھی۔

آہ۔

اس یتیم بچی کے رونے سے زمین لرز اُٹھی۔
وہ لپٹ گئی باپ کی لاش سے،
اور چیخ کر کہنے لگی:

ہائے میرے بابا!
کس ظالم نے آپ کا سر تن سے جدا کیا؟
بابا! میں نے آپ کو پہچانا ہی نہیں!''
پھر بولی:

ہائے میرے مظلوم بابا!
کس شقی نے آپ کے سینے پر تیر مارا ہے
کہ اب تک خون جاری ہے؟''
پھر وہ اپنے منہ پر ہاتھ مارنے لگی،
چہرہ پیٹنے لگی،
اور روتے روتے گر پڑی۔
پھر اچانک پورا لشکر ایک ہی آواز میں رونے لگا۔
یہاں تک کہ آنسو بہہ بہہ کر
ان کے گھوڑوں کے سموں تک پہنچ گئے۔
یوں لگتا تھا کہ حیوانات بھی آلِ رسولؐ کے غم میں ماتم کر رہے ہیں۔
یہ دیکھ کر عمرِ سعد گھبرا گیا،
اور بولا:
'جلد کوچ کرو، مبادا کوئی عذاب نازل نہ ہو جائے!'
مگر ظالموں کے دلوں پر رحم کی لہر نہ اٹھی۔

خدا اور رسولؐ کا حکم ہے کہ یتیم کو نہ جھڑکو،

بلکہ ان کے سر پر ہاتھ پھیرو۔

کہ اس میں ثواب عظیم ہے۔

مگر افسوس!

ان کافروں نے اس یتیم بچی پر

تازیانے برسائے،

اور طمانچے مار مار کر

اسے باپ کی لاش سے جدا کر دیا۔

جب معصومہؑ بنتِ حسینؑ اپنے بابا کی لاش سے لپٹی ہوئی تھی،

تو روتے ہوئے کہتی تھی:

''بابا! دیکھو تو سہی،

میرے کان زخمی ہو چکے ہیں،

ظالموں نے میرے گوشوارے چھین لیے،

اور مجھے طمانچے مارے گئے۔''

معصومہ نے حسینؑ کے ہاتھوں کو اُٹھایا،

اور اپنی گود میں رکھا۔

کبھی اُنھیں بوسہ دیتی،

کبھی سینے سے لگا لیتی،

کبھی اُن انگلیوں کو دیکھتی

جن سے بابا نے رکوع و سجدے کیے تھے۔

پھر آسمان کی طرف اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ بلند کیے،

اور آہستہ سے مگر دل چیر دینے والے لہجے میں کہتی تھی:

''اے میرے مظلوم بابا!

آپ کے قتل سے دشمن خوش ہو رہے ہیں۔

بابا! اب آپ کی شہادت کے بعد

میری حفاظت کون کرے گا؟

میرے سر پر سایہ کس کا ہوگا؟

میری فریاد سننے والا کون ہے؟''

یہ کہتے ہوئے ماتمی

معصومہؑ نے اپنے زخمی کانوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اُن نازک کانوں سے خون رس رہا تھا۔

آنسوؤں میں لرزتی ہوئی آواز سے بولی:

''بابا!

ظالموں نے میرے کانوں سے گوشوارے یوں کھینچے

کہ میرے کان لہولہان ہو گئے۔

بابا، اگر آپ فرماتے

تو میں خود اتار کر دے دیتی!

مگر انھوں نے بے دردی سے کھینچ لیے،

اور مجھے طمانچے مارے۔''

پھر حسینؑ کی لاش سے لپٹ کر روتی رہی،

اور ہچکیوں کے درمیان سسک کر بولی:

''بابا۔ ان ظالموں نے ہمارے سروں سے چادریں اتار لیں،

ہم سر برہنہ ہیں، بے پردہ ہیں۔

بابا! آپ کے بعد ہم پر اتنی اذیتیں آئیں

کہ اب زندگی سے نفرت ہوگئی ہے۔

نہ کوئی مونس رہا، نہ کوئی غمگسار۔

بس ظلم کی راکھ میں جلتی ہوئی سانسیں باقی ہیں۔''

ناگاہ شمرِ لعین آگے بڑھا،

کہنے لگا: ''اس بچی کو باپ کی لاش سے الگ کرو!''

مگر معصومہؑ نے نہ چھوڑا،

اور لاش سے لپٹ کر روتی رہی۔

تب اس ظالم نے اس معصوم بچی کو

ایسا تازیانہ مارا

کہ وہ یتیم بلبلاتے ہوئے زمین پر گر پڑی۔

اے ماتمی۔ سن جو عالیہؑ نے امام حسینؑ کی لاش پر بین کیے۔

''اے محمد مصطفیٰؐ!

آپ پر تو آسمان کے فرشتے نماز پڑھتے تھے،

لیکن آج آپ کا حسینؑ

خون میں تر بدن کے ساتھ

گرم زمین پر ٹکڑے ٹکڑے پڑا ہے،

اور آپ کی نواسیاں قید ہو کر جا رہی ہیں۔

اے اللہ! تیری فریاد ہے،

اے رسولِ خداؐ، اے علیِ مرتضیٰؑ، اے حمزہؑ سید الشہداء!

دہائی ہے، مدد کرو!
آپ کا حسینؑ قتل کر دیا گیا،
اور اس کا لاشہ بے گور و کفن
ریتِ کربلا پر پڑا ہے۔
وا رے مصیبت
گویا محمدؐ مصطفیٰؐ آج خود دُکھ میں ہوں،
کہ اُن کی ذریت، اُن کے اہلِ بیت،
ظالموں کے ہاتھوں قید ہیں،
اور اُن کے نواسے حسینؑ کا سر
اُن کی گردن سے جدا کر دیا گیا!''
پھر بی بی نے رخ شہداء کی لاشوں کی طرف کیا،
اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا:
''میں فدا ہوں اُس غریب پر،
،جس کا لشکر بروزِ شنبہ ظلم سے قتل کیا گیا۔
میں فدا ہوں اُس مظلوم پر،
جس کے خیمے ظلم و جور سے جلائے گئے۔
میں فدا ہوں اُس پیاسے پر،
جو مغموم اور بے کس اس دنیا سے گیا۔
میں فدا ہوں اُس شہیدِ راہِ حق پر،
جس کی ریشِ مبارک سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔
میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں،

جس کی لاش خاک وخون میں غلطاں ہے۔

میرے ماں باپ فدا ہوں اُس پر،

جو بھوکا پیاسا شہید ہوا،

اور، جس کے زخموں کا کوئی مرہم نہیں۔

میری جان قربان ہو اُس پر

جو رنج وغم کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔

میرے ماں باپ اس پر فدا ہوں

جس کے نانا محمد مصطفیؐ،

اور باپ علی مرتضیٰؑ تھے۔

میری جان اُن پر فدا ہو۔

محمد مصطفیؐ، علی مرتضیٰؑ،

خدیجۃ الکبریٰؑ اور اُمِّ ابیھاؑ پر،

جو سیدۃ نساء العالمین ہیں۔''

نورانی شخصیت کی آواز بھر آئی،

پھر آہستہ سے کہا:

جب عالیہؑ کے بین فضا میں گونجے،

تو اقربا تو اقربا،

دشمن بھی رونے لگے۔

یوں لگا کہ زمین بھی گریہ کر رہی ہے،

نورانی شخصیت۔

ماتمی اب یہ آخری الفاظ پاک بی بی عالیہؑ کے سن۔

”اے اہلِ کربلا!

اے زمینِ شہادت، گواہ رہنا۔

آج شریکۃ الحسینؑ اپنے حسینؑ کے مقتل میں کھڑی ہے۔

یہ وہ حسینؑ ہے، جس کے قدموں تلے، جنت فخر کرتی تھی،

آج وہ خاک پر بے گور و کفن لیٹا ہے۔

اے میرے بھائی حسینؑ!

تُو چلا گیا مگر تیرا نام مٹنے والا نہیں۔

تُو خاموش ہوا مگر تیرا ذکر ہمیشہ بولتا رہے گا۔

ہر اہلِ دل، ہر گریہ کُن، ہر عاشقِ وفا

تا قیامت تجھ پر روئے گا۔

تیری مظلومیت پر زمانہ ماتم کرے گا۔

تیرے غم سے قلوب دھڑکیں گے،

تیرے نام سے ذکرِ خدا کی حرارت باقی رہے گی۔

اے وقت کے یزیدو!

تم سمجھتے ہو کہ تم نے حسینؑ کو مٹا دیا؟

نہیں۔

تم نے اُس چراغ کو روشن کر دیا

جس کی لو تا قیامت بجھنے والی نہیں۔

میں عالیہؑ ہوں، علیؑ کی بیٹی،

اُمِّ ابیھاؑ کا غم دل میں لیے کھڑی ہوں۔

میں تمھارے ظلم پر خاموش نہیں رہوں گی،

میں تمھارے باطل کو زبانِ حق سے کاٹ ڈالوں گی۔

میں وہ بہن ہوں جو بھائی کے خون کا انتقام

خطبے کے نیزے سے لے گی۔

اے اللہ!

اس قربانی کو قبول فرما،

اور عالیہؑ کو وہ ہمت دے

کہ کوفہ وشام کے بازاروں میں بھی

حسینؑ کی حقانیت گونجے۔

اے حسینؑ!

تمھاری بہن وعدہ کرتی ہے۔

تمھارا نام کبھی مٹے گا نہیں،

تمھارا غم کبھی رکے گا نہیں،

تمھارا ذکر ہر دل میں زندہ رہے گا۔

تمھاری مظلومیت ہی قیامت تک انسانیت کا ضمیر جگاتی رہے گی۔''

(یہ کہہ کر بی بیؑ نے آسمان کی طرف دیکھا،

اشک تھام لیے،

اور آہستہ کہا:)

''قسم اُس خدا کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔

حسینؑ کا نام تا قیامت رہے گا،

اور ہر اہلِ دل اُس پر روئے گا۔

یہ ماتم رکنے والا نہیں،

یہ غم ابدی ہے۔''

پھر بی بیؑ نے بیمارِ کربلا کی سمت دیکھا اور فرمایا:

''اے سجادؑ، اب تم امام ہو،

عالیہؑ تمھاری خادمہ۔

میں اپنی جان بھی قربان کروں گی،

مگر حسینؑ کا پیغام

دنیا کے ہر دربار تک پہنچاؤں گی۔''

نورانی شخصیت:

اے فرزندِ ماتم! تم نے کربلا کے سارے مناظر دیکھے — خیموں کی آگ، معصوم بچوں کی پیاس، شریکۃ الحسینؑ کی صبر بھری آہیں اور سید الشہداءؑ کا سجدۂ آخر۔ اب سنو ... حسینؑ کے خون کا پیغام!

ماتمی:

میرے آقا! ہر منظر دل میں نقش ہو گیا مگر یہ بتایئے... اس قربانی کا مقصد کیا تھا؟

نورانی شخصیت:

یہ قربانی صرف میدانِ جنگ کا معرکہ نہ تھی، یہ دینِ محمدیؐ اور ولایتِ علیؑ کے دفاع کا علم بلند کرنے کا معرکہ تھا۔ امام حسینؑ نے فرمایا:

''میں نہ تکبر سے نکلا، نہ فساد کے لیے، بلکہ امتِ جدّ کی اصلاح، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے نکلا ہوں۔''

ماتمی:

مگر یزید کے لشکر بھی نماز پڑھتے تھے، اذان دیتے تھے؟

نورانی شخصیت:

ہاں، وہ نماز پڑھتے تھے مگر ولایت علیؑ کے منکر تھے۔

وہ ''اللہ اکبر'' کہتے تھے مگر یزید کو اولی الامر مانتے تھے۔

جبکہ حسینؑ پکار رہے تھے: ''یزید اولی الامر نہیں، علیؑ ہی امیر المؤمنین ہیں!''

یہی وہ اصل نزاع تھا۔ ولایت بمقابلہ حکومت!

ماتمی:

تو کربلا دراصل شریعتِ محمدیؐ کے تحفظ کا معرکہ تھا؟

نورانی شخصیت:

بالکل! حسینؑ نے دینِ جدّ کی بنیاد کو پھر سے زندہ کیا۔

انھوں نے شریعت سے خارج کی گئی ولایتِ علیؑ کو اپنے خون سے دوبارہ شامل کر دیا۔

یزید نے کہا ''اطاعت میری''،

حسینؑ نے کہا ''اطاعت صرف خدا، رسولؐ اور علیؑ کی!''

ماتمی:

یہی وجہ ہے کہ حسینؑ نے اپنی جان قربان کر دی۔

نورانی شخصیت:

ہاں، فرمایا:

''اگر دینِ محمدؐ میری شہادت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا،

تو اے تلوارو! آؤ، مجھ پر ٹوٹ پڑو!''

کربلا کا مقصد اقتدار نہیں، اقدار کی بقا تھا۔

یہ، جنگ تخت و تاج کی نہیں، حق و ولایت کی تھی۔

ماتمی:

اور یہی پیغام ہمیں ماتم سے ملتا ہے؟

نورانی شخصیت:

ہاں! امام نے آخری وقت میں اپنی شہزادی معصومہؑ سے فرمایا:

”اے میرے شیعو! جب بھی ٹھنڈا پانی پینا، مجھے یاد کرنا۔

جب بھی کسی مظلوم کی کہانی سنو، میرے لیے گریہ کرنا۔“

یہ گریہ حسینؑ کی وصیت ہے،

یہ آنسو دین کی حیات ہیں،

یہ ماتم ظالم کے ظلم کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے۔

ماتمی:

کیا یہی وجہ ہے کہ رسولؐ نے فرمایا تھا،

کہ میری امت ہمیشہ حسینؑ پر روئے گی؟

نورانی شخصیت:

جی ہاں! رسولؐ نے فرمایا تھا:

”اے اُمِّ ابیھاؑ! ایک وقت آئے گا جب تم نہ ہوگی، میں نہ ہوں گا،

مگر میری امت کے مرد، میرے اہل بیت کے مردوں پر،

اور عورتیں، میری اہل بیت کی عورتوں پر روئیں گی۔

جو حسینؑ پر روئے گا، میں اور تم قیامت میں اس کے شفیع ہوں گے۔“

ماتمی:

(روتے ہوئے)

تو یہ رونا صرف دکھ نہیں، بلکہ ایمان کی علامت ہے؟

نورانی شخصیت:

ہاں، اے عزادارِ حسینؑ!

یہ رونا عبادت ہے،

یہ اشک وفا کی دلیل ہے،

یہ ولایت کی تصدیق ہے۔

نورانی شخصیت:

یاد رکھو۔

کربلا صرف ایک واقعہ نہیں،

یہ قیامت تک چلنے والا عہد ہے:

کہ جب بھی ظلم ہوگا،

حسینؑ کا نام زندہ رہے گا۔

ماتمی کی پلکیں ابھی بھی آنسوؤں سے بوجھل تھیں۔ دل میں وہ تمام مناظر گردش کر رہے تھے جو نورانی شخصیت نے اسے دکھائے تھے۔

اچانک ایک جھونکا چلا، جیسے کسی نے پردہ ہٹا دیا ہو۔

اس کے کانوں میں اذانِ فجر کی آواز گونجنے لگی۔

''اشهد ان علياً ولی الله''

یہ الفاظ جب فضا میں بلند ہوئے تو اس کے دل کے اندر کوئی دروازہ کھل گیا۔

وہ کانپتا ہوا زمین پر جھک گیا،

اور اس نے سجدۂ حق ادا کیا۔ ایسا سجدہ، جس میں نہ صرف پیشانی زمین سے لگی، بلکہ روح کربلا کی خاک سے جا ملی۔

اس سجدے میں اسے محسوس ہوا کہ جیسے کربلا کے سارے اسرار اس کے سامنے روشن ہو رہے ہوں۔

وہ سمجھ گیا کہ یہ جنگ صرف تلواروں اور نیزوں کی نہیں تھی،

یہ حق اور باطل کا ابدی معرکہ تھا،

جہاں حسینؑ نے خون سے شریعتِ محمدی ﷺ

کا دفاع کیا،

اور ولایتِ علیؑ کو تا قیامت زندہ کر دیا۔

اس کے بدن سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے مگر وہ پسینہ کسی تھکن کا نہیں۔

بلکہ روح کی طہارت کا تھا۔

اس کے گرد ایک عجیب سا نور پھیل گیا تھا، جیسے فضا خود گواہی دے رہی ہو کہ وہ لمحہ

مقدس ہے۔

اس نے دل میں محسوس کیا کہ وہ اب وہی نہیں رہا۔

اس کی آنکھوں نے کربلا دیکھ لی تھی،

اور دل نے حسینؑ کو پا لیا تھا۔

اچانک اذان کے آخری الفاظ گونجے۔

''حیّ علی خیر العمل''

وہ اٹھا، لرزتے ہاتھوں سے آنسو پونچھے،

اور آسمان کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا:

''اے حسینؑ، تیرے پیغام کی قسم۔

اب میرا جینا بھی تیری راہ میں ہوگا،

میرا مرنا بھی تیری یاد میں۔

اگر مقصدِ حسینؑ کے لیے جان دینی پڑی تو دوں گا،

اگر ولایتِ علیؑ کے لیے بولنا پڑا تو بولوں گا۔

میری زندگی اب ماتم نہیں۔اقرار ہے،
اقرارِحق،اقرارِعشق،اقرارِحسینؑ۔''

وہ چلنے لگا۔

قدم بوجھل تھے مگر دل میں روشنی تھی۔

دور کہیں دیہات کی فضا میں مؤذن کی صدا گونج رہی تھی۔

''علیؑ ولیُ اللہ''

اوراس نے محسوس کیا کہ یہ صدا صرف کانوں میں نہیں،
بلکہ اس کے دل کی گہرائیوں میں گونج رہی ہے۔

فضا میں عطرِ کربلا پھیل چکا تھا،
ہوا میں حسینؑ کی خوشبو تھی،
اوراس کی روح میں اطمینان۔

جیسے کسی نے اندر سے کہا ہو:
''تم نے سجدۂ حق ادا کر دیا،
اب تم حسینؑ کے رازداروں میں شامل ہو گئے ہو۔''

یادداشت